یا اللہ مدد | اصلی کلمہ اسلام: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ | حق چار یار

شانِ رسالت زندہ باد — عقیدہ حیات النبی ﷺ زندہ باد

مقامِ صحابہ زندہ باد — مقامِ امامِ اعظم ابوحنیفہ زندہ باد



اکابرینِ دیوبند بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان



مجلہ صفدر

سرپرست: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

سرپرست: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

134/133

مارچ، اپریل 2022ء — شعبان، رمضان ۱۴۴۳ھ

راقم الحروف کے بھتیجے عمار خان ناصر نے کچھ اپنی آزاد فکری اور کچھ اپنے استاد جاوید احمد غامدی کے نظریات سے متاثر ہو کر جب اپنے اکابر کے نظریات سے ہٹ کر علیحدہ فکری و نظریاتی راہ اختیار کی تو خاندان کے بزرگوں اور احباب نے اس کو سمجھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ خاندان کے افراد کے علاوہ ملک بھر کے بہت سے علماء نے اپنے اپنے مدلل اور ناصحانہ انداز میں عزیز موصوف کی اصلاح کے لیے بھرپور کوششیں فرمائیں۔ میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس معاملہ میں خاندان کی معاونت فرمائی۔ جزاھم اللہ خیراً۔ اس معاملہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی مساعی جمیلہ بہت قابلِ قدر ہیں۔ ''مسجد اقصیٰ کی تولیت''، ''رجم بطور حد شرعی''، ''اجماعی مسائل میں امت کے لیے طریق کار'' اور ''توہین رسالت'' جیسے مضامین میں ان کا تحریری علمی ذخیرہ دورِ حاضر کے جدت پسندوں کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ [ترجمانِ اہلِ حق: ۴۰]

مظہریہ دار المطالعہ جہلم
0312 4612774 0334-4612774
hamza.ehsani44@gmail.com

درِیچہِ دِل

شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم

معاشرے میں انقلاب کیسے آتا ہے؟

جب تک دِلوں کی کیفیت نہ بدلے، معاشرہ میں بھی انقلاب نہیں آتا۔ دماغوں پر محنت سے مادے کی ترقی تو ہو سکتی ہے، لیکن سکون اور اطمینان کی حالت نہیں آسکتی۔ اسی لیے انبیاء کرام علیھم الصلوات والتسلیمات کی محنت کا موضوع قلب ہے۔ دماغوں میں کثرت اور جھگڑا ہے' اَنا ہے، قلب میں وحدت' تسلیم و رضا اور محبت ہے۔

"ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کا دائرہ جب **"اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"** سے ٹوٹتا ہے تو قلب کا ایک گونہ عالم اَمر سے تعلق اور عالم بیچوں سے نسبت پیدا ہوتی ہے۔ اِس ضیاء سے انشراحِ صدر ہوتا ہے۔ سینہ کا کھلنا اِسی نور کے پھیلاؤ کا نام ہے۔

پھر نفس **مُطْمَئِنَّه** ہوتا ہے۔ اور اعلان ہوتا ہے: **"اِرْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِىْ فِىْ عِبَادِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ"**. اور اسرارِ قلب سے ایک دروازہ نظر آتا ہے جس پر تحریر ہوتا ہے: **"جَنَابُ الرَّبِّ تَعَالٰى لِعَبْدٍ أَذْنَبَ ذَنْبًا كَثِيْرًا"** حق سبحانہ کے دربارِ شاہی سے یہ مقرب ہو کر خلق کی خدمت عیال اللہ سمجھ کر کرتا ہے اور معاشرہ میں انقلاب برپا ہوتا ہے۔

ع اپنے میں سوزِ باطن سے جلا اِک شمع غیر فانی

[۲۲/رجب المرجب ۱۴۴۳ھ......۲۴/فروری ۲۰۲۲ء......حال وارد لاہور]

☆......☆......☆......☆

یا اللہ مدد

عقیدۂ حیات النبی ﷺ زندہ باد

شانِ رسالت ﷺ زندہ باد

اصلی کلمۂ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

مقامِ صحابہؓ زندہ باد

مقامِ امام اعظم ابو حنیفہؒ زندہ باد

حق چار یارؓ

بیاد

محدثِ عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل سنت تلمیذ حضرت مدنی شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نوراللہ مرقدہ

تلمیذ رشید خلیفہ مجاز

امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نوراللہ مرقدہ

اکابر اہل سنت (دیوبند) بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

بفیضان

مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نوراللہ مرقدہ

تلمیذ رشید خلیفہ مجاز

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ

بیاد

مفسر قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نوراللہ مرقدہ

فقیہ العصر ترجمان اہل سنت دیوبند حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ

شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نوراللہ مرقدہ

فخر اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی نوراللہ مرقدہ

حکیم العصر شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نوراللہ مرقدہ

امین ملت مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نوراللہ مرقدہ

پاسبان مسلک احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نوراللہ مرقدہ

ترجمان مسلک اہل سنت دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی نوراللہ مرقدہ

وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نوراللہ مرقدہ

جانشین شہید اسلام محقق العصر سعید احمد جلالپوری شہید نوراللہ مرقدہ

بدعا

وکیل صحابہ حضرت مولانا عبدالستار تونسوی نوراللہ مرقدہ حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی نوراللہ مرقدہ

سرپرست

پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا

حبیب الرحمٰن سومرو صاحب

مدظلہ

نگران

وکیل احناف مناظر اسلام حضرت مولانا

مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب

مدظلہ

مدیرِ اعلیٰ

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

0301-7790908

مدیرِ مسئول

مولانا احسن خدامی

0320-4902150

مدیر

حمزہ احسانی

0307-5687800

فی شمارہ 70 زرِ سالانہ 400

برائے رابطہ: مکان نمبر 4 گلی 82 محمود سٹریٹ محلہ سردار پورہ، اچھرہ لاہور

ترتیب

مجلّہ صفدر کے اجراء کا طریقہ

۱-اپنا نام، مکمل ڈاک پتہ، موبائل نمبر اردو میں لکھ کر ارسال فرمائیں۔

۲-کس سن اور ماہ سے رسالہ جاری کرنا ہے، اس کی وضاحت فرمائیں۔

۳-سالانہ زر تعاون مبلغ چار صد پچاس (۴۵۰) روپے یا اتنی مالیت کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

۴-منی آرڈر، وی پی، (۲۵/روپے والے) ڈاک ٹکٹ، جاز کیش یا میزان بینک اکاؤنٹ کے ذریعہ رقم ارسال کی جاسکتی ہے۔ رقم بھیجتے وقت تفصیل بتائیں اور بھیج کر اطلاع ضرور فرمائیں، ورنہ ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

۵-رسالہ جاری ہونے پر اپنا خریداری نمبر محفوظ رکھیں!

۶-زر سالانہ ختم ہونے پر اطلاع کے تین ماہ بعد رسالہ کی ترسیل موقوف کردی جاتی ہے۔ لہٰذا ترسیل جاری رکھنے کے لیے زر سالانہ کی بروقت ادائیگی کو یقینی بنائیں۔ جزاکم اللہ أحسن الجزاء۔

جاز کیش: سرفراز الحسن خان حمزہ: 0307-5687800

ای میل: hamza.ehsani44@gmail.com

سرفراز الحسن خان حمزہ......میزان بینک، اچھرہ برانچ، لاہور

acount n: 0104566580......branch cod: 0285

جامعہ مظہریہ حسینیہ کی سالانہ تقریب ختم بخاری

مورخہ ۷/رجب المرجب ۱۴۴۳ھ بمطابق ۹/فروری ۲۰۲۰ء بروز بدھ جامعہ مظہریہ حسینیہ جہان سومرو ضلع ٹنڈو محمد خان (سندھ) کی سالانہ تقریب تکمیل بخاری شریف منعقد ہوئی، یہ مدرسہ شیخ الاسلام حضرت مدنی اور اُن کے تلمیذ وخلیفہ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہما اللہ کی یادگار ہے۔ جس کے روح رواں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے سلسلہ کے عظیم مرشد، حضرت قائد اہل سنتؒ کے خلیفہ مجاز شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم العالی ہیں۔

اِس تقریب میں نقابت کے فرائض حسبِ سابق ہمارے خالو محترم مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی زید قدرہ نے انجام دیئے۔ تقریب کی تین نشستیں تھیں، پہلی نشست نمازِ ظہر کے بعد، دوسری نمازِ عصر کے بعد اور تیسری نمازِ مغرب کے بعد منعقد ہوئی۔ [۱] پہلی نشست میں تلاوت، حمد اور نعت و نظم کے علاوہ استاذ العلماء مولانا مفتی جمیل الرحمٰن مدظلہم نے خطاب فرمایا۔ جن کے خطاب کا عنوان عظمتِ صحابہ تھا۔ سنجیدہ، علمی، مدلل اور عام فہم گفتگو آپ کا خاصہ ہے، قرآن وسنت کی روشنی میں شانِ صحابہ کو منفرد انداز اور مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے رہنا آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اللہ پاک نے چاہا تو حضرت مفتی صاحب کا بیان آئندہ شمارے میں پیش خدمت کیا جائے گا۔

[۲] عصر کی نماز کے بعد وقت کی قلت کے باعث نقیب محترم نے خود ہی تلاوت فرما کر دوسری نشست کا آغاز کیا۔ اِس نشست میں حافظ علی گوہر کے کلام کے علاوہ مولانا سید اسماعیل کاظمی نے اپنے مخصوص انداز میں خطاب فرمایا۔

[۳] تیسری اور آخری نشست میں تلاوت و نعت/نظم کے علاوہ حضرت قائد اہل سنتؒ کے فرزند مولانا قاضی ظہور الحسین اظہر مدظلہم [امیر: تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ] نے عقیدۂ خلافتِ راشدہ پر خصوصی خطاب فرمایا۔ مبلغ اسلام مولانا ظہور احمد میمن مدظلہ کا بھی بیان ہوا۔ شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس ارشاد فرمایا۔ اِسی نشست میں حفاظ کرام اور فارغ التحصیل علماء کی دستار بندی بھی ہوئی۔ اور اس کے بعد حضرت شیخ زید قدرہ نے دعا فرمائی۔ حضرت شیخ دام ظلہ کا بیان بلا قید الفاظ ملاحظہ ہو!

بعد الحمد و الصلوۃ ! بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھی گئی، یہ نہایت بابرکت موقع ہے، بعض ایسی چیزیں ہیں جو دعا کی قبولیت کے اوقات ہوتے ہیں، اس کے اندر کبھی کبھی صاحبِ کتاب کے تقویٰ کا دخل ہوتا ہے۔ اب ایک فقہ کی کتاب ہے: مختصر قدوری، حدیث کی نہیں فقہ کی کتاب ہے، لیکن اُس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کسی وَبا میں اس کا پڑھنا اُس وبا سے نجات کا باعث ہوتا ہے۔ اِس کی وجہ امام قدوریؒ کا تقویٰ اور ورع ہے۔ اِسی طرح بخاری شریف بھی ہے۔ احادیث طیبہ کی برکات کے ساتھ ساتھ امام بخاریؒ کی زندگی اور اُن کے زہد و تقویٰ کی برکت ہے کہ ختم بخاری کے موقع پر دعا قبول ہوتی ہے۔ امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں ہی بدری صحابہ کے نام ذکر فرمائے ہیں، فرماتے ہیں: وہ نام پڑھ کر دعا کی جائے تو دعا قبول ہوتی ہے، صحابہ کے ناموں میں اتنی برکت ہے۔ (سبحان اللہ!) کوئی شخص کسی مقصد کی خاطر بخاری شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس کا وہ مقصد پورا فرما دیتے ہیں۔ خصوصاً کسی کو حج بیت اللہ کی تمنا ہو مگر اُس کے پاس ظاہری اسباب نہ ہوں اور وہ بخاری شریف مکمل اِس ارادے سے پڑھے تو اُسے حج کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے۔ (اگرچہ مکمل بخاری پڑھنا وقت طلب ضرور ہے۔) اِس لیے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ کسی چیز کو قبولیت اور بقا تب ملتی ہے جب اُس کی پشت پر زہد و تقویٰ ہو۔ اگرچہ لوگ ظاہر کو دیکھتے ہیں کہ فلاں بہت ذہین ہے، یا بہت عظیم کتاب لکھی ہے، بڑی محنت کی ہے۔ لیکن چیز کی بقا تقوے کے ساتھ ہوتی ہے۔

ہم سب امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں، اللہ پاک نے اُن کی فقہ کو جو قبولیت بخشی ہے، سب سے زیادہ اُن کے مقلدین ہیں، اس کی وجہ بھی اُن کا زہد و تقویٰ ہے۔ ایک مرتبہ امام صاحب کے علاقہ میں بکری چوری ہو گئی، امام صاحب کو معلوم ہوا کہ بکری سات سال تک زندہ رہ سکتی ہے، تو سات سال تک اُنہوں نے بازار سے بکری کا گوشت نہیں خریدا۔ امام صاحب کپڑے کی تجارت کرتے تھے، دوکان کے لیے ملازم بھی رکھا ہوا تھا، ایک روز ملازم نے عیب دار کپڑا، عیب بتائے بغیر کسی گاہک کو فروخت کر دیا۔ امام صاحب کو معلوم ہوا تو اُس پورے دِن کی کمائی اپنے استعمال میں نہیں لائے کہ کہیں حرام کا لقمہ پیٹ میں نہ چلا جائے۔ حرام اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے، چاہے کھانے والے کو اُس کی حرمت کا علم ہو یا نہ ہو۔ جیسے زہر عموماً اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے، کھانے والے کو اُن کا زہر ہونا معلوم ہو یا نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ جس شخص کے کام کو اللہ تعالیٰ بقا عطا فرماتے ہیں، اُس کے کام کے پیچھے اُس کا تقویٰ اور نیکی کا دخل ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی اِس تالیف کو اللہ تعالیٰ نے جو قبولیت عطا فرمائی، اس کی وجہ بھی اُن کا زہد و تقویٰ ہے۔

امام بخاریؒ ایک مرتبہ کسی استاذ کے پاس حدیث پڑھنے گئے، وہاں زمین پر کسی کے سجدے کے نشانات تھے، جن سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کسی نے نماز پڑھی ہے۔ اور نشانات سے معلوم ہوتا تھا کہ سجدہ کرنے والے نے سجدے میں ہاتھوں کی انگلیوں کا رخ سیدھا قبلے کی طرف نہیں رکھا، بلکہ تھوڑے سے ترچھے

رخ پر ہاتھ رکھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہاں کے شیخ اور استاذ نے نماز پڑھی ہے۔ امام بخاریؒ یہ جان کر واپس لوٹ گئے اور فرمایا کہ جو نماز کے سجدے میں ہاتھ صحیح رکھنا نہیں جانتا یا عملی سستی کرتا ہے، میں اُس کے پاس حدیث نہیں پڑھ سکتا۔ حالانکہ یہ عمل نماز کے آداب میں سے ہے۔ (فرض واجب نہیں) لیکن امام بخاریؒ نے ایسے استاذ سے حدیث پڑھنا گوارا نہیں کیا۔

اِس سے ایک مسئلہ اور بھی صاف ہوگیا۔ امام بخاریؒ نے حنفی راویوں سے بھی روایات قبول کر کے بخاری شریف میں درج کی ہیں۔ اور حنفی نماز میں رفع یدین نہیں کیا کرتے۔ اگر رفع یدین کے بغیر نماز نہ ہوتی یا ناقص ہوتی تو امام بخاریؒ کسی حنفی راوی سے روایت قبول نہ کرتے۔

بہرحال امام بخاری کا تقویٰ ہے کہ ایسے استاذ سے حدیث حاصل نہیں کی۔ اِسی طرح امام بخاریؒ ایک اور استاذ کے پاس حدیث حاصل کرنے گئے تو دیکھا کہ وہ گھوڑے کی لگام پکڑنے کے لیے اُسے چارہ کھلانے کا جھانسا دے رہے ہیں، حقیقت میں چارہ کھلانا مقصود نہیں تو امام بخاریؒ یہ دیکھ کر واپس پلٹ گئے۔ اور فرمایا کہ **"لا آخذ الحدیث عن من یخدع البھائم"** جانوروں کو دھوکہ دینے والے سے میں حدیث نہیں پڑھ سکتا۔ اگر چہ شرعی طور پر یہ عمل دھوکہ میں شامل نہیں ہے۔

امام بخاریؒ کے اِس تقوے اور احتیاط کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کی کتاب کو یہ شرف بخشا کہ اِسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ بخاری شریف کے علاوہ کسی اور کتاب میں صحیح احادیث نہیں ہیں۔ ایسا سمجھنا غلط ہے۔ مثلا: اگر کوئی کہے کہ اِس شہر میں رہنے والے سب لوگ اچھے ہیں۔ تو کیا اِس کا یہ مطلب ہوگا کہ: اِس شہر سے باہر رہنے والے لوگ اچھے نہیں ہیں؟ وہ بات صرف اِس شہر سے متعلق ہوئی ہے، یہ نہیں کہ باقی ساری دنیا کے لوگ خراب ہیں۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے تو یہ بتایا ہے کہ بخاری شریف کی تمام احادیث صحیح ہیں، اِس کا یہ مطلب نہیں کہ بخاری کے علاوہ کہیں صحیح احادیث نہیں ہیں۔ خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں: **ولقد انتخبته من زھاء ست مائة الف حدیث**. میں نے چھ لاکھ احادیث کے ذخیرے سے اسے منتخب کیا ہے۔ **وما ترکته من الصحاح فھو أکثر**. جو صحیح احادیث میں نے چھوڑ دی ہیں، وہ اِس سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ خود امام بخاریؒ کا قول ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کی عجیب ترتیب رکھی ہے، پہلا باب وحی کا ہے: ''کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اور آخری باب وزن اعمال کا ہے: ''**قول اللہ ونضع الموازین القسط لیوم القیامة**.'' کہ قیامت کے روز انسان کے اعمال کا وزن کیا جائے گا، اس پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا، رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو اللہ فرماتے ہیں: **اتینا بھا**، ہم اسے سامنے لائیں گے، **وکفی بنا حاسبین**. ہم ہی سب سے بڑے حساب کرنے والے ہیں۔ الغرض ترازو قائم ہوگا، وزنِ اعمال ہوگا۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا پہلا اور آخری دونوں باب عقل پرستوں کے رد میں قائم کیے ہیں، جو دنیا میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور ہر بات کو اپنی عقل سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، ہر چیز کی دلیل مانگتے ہیں۔ حالانکہ ہر چیز کے لیے دلیل نہیں ہوتی۔ اَب تو بڑے عجیب عجیب خیالات سامنے آ رہے ہیں، کہتے ہیں: اللہ کو بھی دلیل سے مانو! کیا تم نے اپنے باپ کو دلیل کی بنیاد پر باپ تسلیم کیا ہے؟ کیا تمہارے پاس اِس بات کی کوئی دلیل ہے کہ یہ تمہارا باپ ہے؟ تم اللہ کے بارے میں دلیل مانگتے ہو؟ دلیل کا تصور ہی غلط ہے۔ دلیل مانگنے والا وہ ہوتا ہے جو منکر ہوتا ہے۔ محبت میں کبھی دلیل مانگی جاتی ہے؟ ایمان' اللہ کے ساتھ محبت والے تعلق کا نام ہے، دلیل والے تعلق کا نام نہیں ہے۔ ایمان کا تعلق دِل سے ہے، دِماغ سے نہیں ہے۔ اگر ایمان کا تعلق دِماغ سے ہوتا تو ہم کہتے کہ ہم اپنے رب کو دلیل سے مانیں گے۔ اور دلیل سے سمجھیں گے۔ لیکن ایمان کا تعلق مومن کے دِل کے ساتھ ہے، اور دِل کا تعلق محبت والا ہوتا ہے، ماں، باپ، دوست، استاذ وغیرہ کے ساتھ جو رشتہ اور تعلق ہوتا ہے وہ دِل کا تعلق ہوتا ہے، اور دِل کے لیے دلیل نہیں ہوتی۔ دلیل تو ابوجہل نے مانگی تھی کہ چاند کو دو ٹکڑے کر کے دِکھاؤ! میرے ہاتھ میں کنکر ہے، یہ کلمہ پڑھ دیں، کیا دلیل ملنے کے بعد ابوجہل مان گیا تھا؟ (نہیں!) اُس نے کلمہ پڑھ لیا تھا؟ (نہیں!) اور دلیل نہ مانگنے والا، بلا دلیل ماننے والا کون ہے؟ جو امت میں سب سے افضل ہے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔

اَب دونوں میں فرق دیکھ لو! معراج کی شب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی، صبح گھر سے نکلے تو ابوجہل سے ملاقات ہوئی، حضورؐ نے رات کی کارگزاری سنائی، تاکہ اِس معجزے کو سن کر وہ ایمان لے آئے۔ چنانچہ اسے بتایا کہ آج رات اللہ نے مجھے اِس جسم کے ساتھ ساتوں آسمانوں سے اوپر عرش عظیم پر بلایا، میں راتوں رات اللہ کی زیارت و ملاقات کر کے اور احکامات لے کر آیا ہوں۔ اُس نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اُس نے حضور کی بات سنی اور فوراً حضرت صدیق اکبر کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا، اور اُن سے کہنے لگا: تمہارا دوست پہلے بھی عجیب عجیب باتیں کرتا تھا، آج تو اُس نے ایسی انہونی بات کہہ دی جو ممکن ہی نہیں ہے۔ آج وہ کہہ رہا ہے کہ میں راتوں رات عرش عظیم پر گیا ہوں، رب سے ملاقات بھی کی ہے، احکامات بھی لیے اور واپس بھی آ گیا ہوں۔ بھلا یہ کبھی ہوسکتا ہے؟؟ تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اگر اُنہوں نے ایسا کہا ہے تو بالکل ٹھیک ہے۔ پہلے وہ ہمیں بتاتے تھے کہ آسمانی مخلوق یعنی فرشتے میرے پاس آتے ہیں، تو ہم نے اُن کی تصدیق کی، آج وہ خود آسمانوں پر تشریف لے گئے تو یہ کون سی ناممکن بات ہے؟ اے عقل پرستو! دلیل مانگنے والو! معراج کا واقعہ ابوجہل نے حضور کی مقدس و پاکیزہ زبان سے سنا، مگر نہیں مانا۔ اور اہل دِل نے' سیدنا صدیق اکبر نے ابوجہل کافر کی زبان سے سنا اور مان لیا۔ ایسا دِل رکھو۔ ایمان دِل کے تعلق کا نام ہے، دلائل کا نام نہیں ہے۔ لوگ دلائل کے پیچھے بھاگتے ہیں۔

کائنات میں سب سے پہلے دلیل کس نے پیش کی تھی؟ (شیطان نے!) اللہ نے حکم فرمایا: **اسجدوا لآدم**، آدم کی تعظیم بجالاؤ! **فسجدوا**، سب نے مان لیا۔ **الا ابلیس**، ابلیس نے نہیں مانا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں: ابلیس نے اللہ کی محبت کی وجہ سے نہیں مانا، کیونکہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات بھی سمجھ لو۔ شاعری اپنی جگہ پر ہوتی ہے، شاعر پتہ نہیں کہاں کہاں پرواز کرتے ہیں، شعراء کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں: "**الم تر انهم فی کل واد یهیمون**"۔ وہ ہر وادی میں گھومتے پھرتے ہیں، جہاں مقصد کی چیز نظر آتی ہے، گہرائی میں اُتر جاتے ہیں، لیکن اُنھیں خود ہی معلوم نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ بس اپنا تخیل پیش کر دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت تو حقیقت ہوتی ہے۔ بہر حال کچھ لوگ کہتے ہیں کہ: ابلیس کو اللہ پاک سے بڑی محبت تھی۔ آج بھی کئی لوگ شیطان ابلیس کی اِس لیے عبادت اور پوجا کرتے ہیں کہ وہ اللہ کا سب سے بڑا عاشق تھا۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ شیطان نے محبت کی وجہ سے اللہ کا حکم نہیں مانا، حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا اپنا جواب نقل کیا ہے، ابلیس نے یہ نہیں کہا تھا کہ: یا اللہ! میں آپ کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس نے کہا: "**انا خیر منه**" میں اس سے بہتر ہوں۔ اُس نے دلیل پیش کی کہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا، جو اُوپر جاتی ہے، اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا، مٹی پاؤں کے نیچے روندی جاتی ہے، میں اتنا طاقت ور اور آگ سے پیدا شدہ، مٹی کو سجدہ کیسے کر سکتا ہوں؟ شیطان نے دلیل قائم کی تھی۔ اَب بتاؤ! جس نے دلیل سے کام لیا وہ اللہ کا محبوب ہوا یا اللہ کے دربار سے مردود ہوا؟ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردود ہو گیا۔ تم بھی دلیل سے پہنچانا چاہتے ہو، اللہ کے لیے دلیل مانگتے ہو!؟

میں نے کہا کہ: میرے پاس دلیل ہے۔ میں بتاتا ہوں، یہ دلیل سن لو، اور جہاں چاہے پیش کرو، یہ دلیل میں نے بنائی ہے۔ عدالت میں فیصلہ تب ہوتا ہے جب کوئی دعویٰ کرنے والا ہو، ایک چیز کسی کے پاس ہے، کوئی دوسرا شخص دعویٰ کرے کہ یہ میری ہے، پھر اس پر گواہ لائے، تب عدالت فیصلہ کرتی ہے۔ مثلاً: یہ کتاب میرے پاس ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ میری ہے۔ اَب جب تک کوئی اس کے خلاف دعویٰ نہ پیش کرے، یہ میری ہی شمار ہوگی، یہ میرے ہاتھ سے تب نکلے گی جب کوئی اور دعویٰ کرنے والا ہو، پھر گواہیاں ہوں گی، یا حلف ہوگا، پھر فیصلہ ہوگا کہ کتاب کس کی ہے۔ لیکن جب تک کسی اور نے دعویٰ ہی نہیں کیا تو یہ کتاب میری ہی ہے۔ تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے زمین و آسمان بنائے ہیں، انسان کو پیدا کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ زمین و آسمان پیدا کرنے والی میری ذات ہے، انسان کو پیدا کرنے والا میں ہوں، تمام کائنات کے نظام، بر و بحر کا پیدا کرنے والا میں ہوں، خالق ہوں، مالک ہوں، رب ہوں، سب کچھ ہوں۔ اَب بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ کے اِس دعویٰ کے خلاف آج تک کسی نے دعویٰ کیا ہے؟ (نہیں!) اگر کوئی دعویٰ کرے تو پھر فیصلہ کی باری آئے گی، اللہ نے دعویٰ کیا ہے، اللہ کے دعوے کے مقابل آج تک کوئی دعویٰ نہیں

ہے۔ منکرین آج تک لڑتے آرہے ہیں کہ ہم اللہ کو نہیں مانتے، لیکن یہ دعویٰ کسی نے نہیں کیا کہ یہ ہم نے پیدا کیا ہے۔ یا تو آسمان وزمین کا کوئی اور خالق بتاؤ!

پھر کہتے ہیں کہ یہ اتفاق ہوا، یہ دنیا اتفاقاً بن گئی ہے۔ تو کیا اتفاق دنیا میں صرف ایک مرتبہ ہوا؟ جب عقل ختم ہوجاتی ہے تو پھر انسان ایسی باتیں کرتا ہے۔ عجیب عجیب تصورات ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان پہلے جانور تھا، پھر آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے انسان بن گیا۔ اگر یہی بات ہے تو پھر موجودہ زمانہ ترقی کا زمانہ ہے، اس میں اسے مزید ترقی کرنی چاہیے۔ اور موجودہ زمانے میں جو جانور ہیں انھیں زیادہ اور تیز رفتار ترقی کرنی چاہیے۔ کیونکہ اِس زمانے میں ترقی کے سب آلات دستیاب ہیں، لیکن جو بندر ہیں وہ بندر کے بندر ہیں، وہ تو انسان نہیں بن رہے، انھوں نے کوئی ترقی نہیں۔ پہلے ترقی ہوئی اور انسان بن گیا، یہ بھی کوئی اتفاق ہوا۔ اور پھر اتفاق کا دروازہ بند ہوگیا اور اَب دنیا میں کوئی اتفاق نہیں ہوتا!؟ نعوذ باللہ من ذالک.

اِس لیے کہتے ہیں کہ ہر چیز کو عقل اور دلائل سے پہچاننے کی کوشش مت کرو، ہر چیز عقل سے نہیں پہچانی جاتی۔ مثلاً میں کہتا ہوں مجھے بھوک لگی ہے، آپ کہیں کہ تم دلیل دو کہ بھوک لگی ہے۔ تو میرے پاس کیا دلیل ہوگی کہ مجھے بھوک لگی ہے؟ بتاؤ! (کوئی نہیں!) اسی طرح مجھے پیاس لگی ہو، میں کہوں مجھے پیاس لگی ہے، کوئی کہتا ہے کہ میں نہیں مانتا، مجھے دلیل دو کہ تمھیں پیاس لگی ہے۔ تو میرے پاس کوئی دلیل ہے؟ (نہیں!) میرے پاس تو کوئی دلیل نہیں ہے۔ دلیل سے کیا مانو گے؟ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو وجدانی ہوتی ہیں۔ اور وجدان کیا ہوتا ہے؟ مثلاً ایک شخص کو بھوک نہیں لگتی، وہ ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، ڈاکٹر اس کا علاج کرتا ہے، اس کا علاج کامیاب ہوجائے تو علاج کے بعد وہ شخص اپنے وجدان سے بھوک محسوس کرتا ہے۔ اِسی طرح کوئی شخص روحانی امراض کا شکار ہو اور روحانی معالج کے پاس جائے، اللہ کے نبی کے پاس جائے، وہ اس کا علاج کرے اور اس کا دل شفاف آئینہ ہوجائے، اس سے پردے ہٹ جائیں تو وہ بھی اللہ کو اپنے دِل میں پائے گا، محسوس کرے گا۔ اللہ پاک کو پانا ہے، تلاش کرنا ہے، اللہ تو ہر جگہ موجود ہے، لیکن ہم اسے تلاش نہیں کررہے۔ جیسے بھوک اور پیاس کو وجدان سے محسوس کرتے ہیں، اللہ پاک کو بھی پانا ہے، اِس کا تعلق بھی وجدان کے ساتھ ہے۔ انسان کی بھوک و پیاس کا وجدان خراب ہوجائے تو ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا ہے۔ انسان کا روحانی وجدان خراب ہوجائے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء کرام اور اُن کے ورثاء کے پاس جانا ہوگا۔ وہ علاج کریں گے تو اللہ کو پائے گا۔ یہ لوگ دماغ سے اللہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تو دِل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا
میں جان گیا بس تیری پہچان یہی ہے

یہی اللہ کی پہچان ہے، دِل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین۔

امام بخاریؒ نے سب سے پہلے ''باب کیف کان بدو الوحی'' لا کر بتلایا کہ یہ دین کسی سقراط و بقراط اور افلاطون کی بڑ اور ان کی خرافات کے مجموعے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ دین محض نقلی علوم کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، سید الملائکہ جبریل امین نے اس امانت کو لے کر پوری کائنات کے سب سے بڑے صادق و امین کے قلب اطہر پر اُتارا۔ دِین اس کا نام ہے جو آسمانوں سے آیا، وحی کے ذریعہ آیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں آیا۔ اس لیے کہ انسان کی عقل احکام کو سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو انسان اپنی ناقص عقل سے کیسے سمجھ سکتا ہے؟ محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: اللہ کے احکام اور کائنات کے نظام کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے جو لوگ اپنی عقل چلاتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چھوٹے سے گڑھے میں گھوڑا پیشاب کر دے، اور ہوا کے جھونکے سے ایک تنکا اُس میں آگرے، اور ایک مکھی اس تنکے پر بیٹھ جائے۔ جب ہوا سے وہ تنکا اِدھر اُدھر ہلے تو وہ مکھی سمجھے کہ دریائے فرات کی سیر کر رہی ہے۔ لیکن اسے اندازہ نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ بیٹھی تو گھوڑے کے پیشاب پر ہے، اور خیالات دریائے فرات کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے سامنے ہماری عقل بھی ایسی ہی ہے۔ پتہ نہیں کہاں کہاں عقلی گھوڑے دوڑاتے ہیں، لیکن جب چار انچ کا محدود سا دماغ ہے، ذرا سا سر درد ہو جائے تو گولی کے بغیر ٹھیک نہیں ہوتا، زیادہ بڑھ جائے تو پاگل خانے میں داخل کر دیا جاتا ہے، یہ اِس دماغ کی حالت ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی عقل سے سمجھے گا؟ ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں ایک چیونٹی رینگ رہی ہو اور وہ اپنی عقل سے اس پہاڑ کے طول و عرض کا اندازہ کرنا چاہے تو بھلا کیسے کر سکتی ہے؟ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ پاک کے احکامات کو محض عقل سے نہیں پہچانا جا سکتا۔ تمہاری عقل میں ہے کیا؟ یہ آنکھیں ہیں! یہ آنکھیں بھی تمہیں دھوکہ دیتی ہیں، سب سے زیادہ دھوکہ دینے والی یہی آنکھیں ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ آنکھیں تمہیں چیزوں کو الٹا کر کے دکھاتی ہیں!؟ اگر تم گاڑی میں سوار ہو جاؤ اور دور سے دیکھو تو تمہیں گاڑی کے ساتھ ساتھ درخت بھی چلتے نظر آئیں گے، نظر آئیں گے ناں (جی!) تو بتاؤ! کیا یہ درخت چل رہے ہیں؟ (نہیں!) اَب یہ دھوکے باز آنکھیں تمہیں کہاں تک پہنچائیں گی؟ کیا یہ آنکھیں تمہیں احکام الٰہی کے علم تک پہنچائیں گی؟ اگر انسان کی عقل کافی ہوتی تو سقراط کبھی زہر نہ پیتا۔ بڑے بڑے لوگ خودکشیاں نہ کرتے۔ یہ لوگ خودکشیاں کیوں کرتے ہیں؟ اِس لیے کہ دماغ سے کام لیتے ہیں، لیکن ایک اہل دِل جو دِل سے چیزوں کی حقیقت جانتا ہے، اُس سے کبھی بھی ایسی غلطی نہیں ہو سکتی، وہ امت کو راہِ ہدایت دیتا ہے۔

اب آپ بتائیں کہ یہ سب انتظامات یہاں موجود ہیں، لیکن اگر روشنی نہ ہو تو کیسا لگے گا؟ کپڑے بھی اچھے پہنے ہوں، پگڑی بھی اچھی باندھی ہوئی ہو، ماشاء اللہ، لیکن روشنی نہ ہو تو؟ یہاں ظاہری اندھیرا تو

برداشت نہیں ہوتا، اپنے وجود میں باطنی اندھیرا کیسے برداشت ہوتا ہے؟ جب اِس وجود کو اندھیرے میں رکھو گے تو شیطان و نفس تمہیں غلط راستے پر لگائیں گے۔ اور وجود میں روشنی کا انتظام پاور ہاؤس کے بغیر نہیں ہوتا۔ جیسے یہ لائٹیں لگی ہوئی ہیں، ان میں لائٹ اور روشنی پاور ہاؤس کے بغیر آسکتی ہے؟ (نہیں!) اِسی طرح وجود میں بھی پاور ہاؤس کے بغیر لائٹنگ نہیں ہوسکتی۔ وجود میں جو دِل ہے، اُس میں بلب لگا ہوا ہے وہ بھی پاور ہاؤس سے کنکشن کے بغیر روشن نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ بلب دِل میں ہے، دماغ میں نہیں ہے۔ دماغ خود ایک کمرہ ہے، کمرے میں روشنی کا نظام الگ ہوتا ہے، دماغ ایک کمرہ ہے، اس کمرے کا بلب دِل میں ہے۔ اور دِل کا پاور ہاؤس اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، عالم اَمر ہے۔ اگر وہاں سے اسے بجلی ملے گی، روشنی آئے گی تو یہ کمرہ روشن ہوگا۔ پھر اس کے اندر بصیرت ہوگی، ایسی بصیرت کہ پوری کائنات کا مطالعہ ایک دم کرسکے گا، پھر اس کی پرواز اتنی وسیع ہوتی ہے کہ یہ زمین اس کے سامنے اتنی بھی نہیں ہوتی جتنا ہمیں اپنی ہتھیلی پر تل دِکھائی دیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود جہان میں گھومتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے اپنے اسرار و رموز عطا فرماتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اہل دماغ نہ ہو۔ دنیا میں اہل دماغ زیادہ ہیں۔

یہ بتاؤ کہ دنیا کے اہل عقل واہل دماغ نے کسی چیز پر اتفاق کیا ہے؟ (نہیں!) کبھی کہتے تھے کہ زمین متحرک ہے، باقی سب سیارے ساکن ہیں۔ کوئی کہتا تھا کہ زمین ساکن ہے، باقی سب متحرک ہیں۔ کبھی بھی آپس میں اتفاق نہیں ہے، یہ کبھی آپس میں متفق نہیں ہوتے۔ لیکن ایک ہی وقت میں کتنے کتنے نبی ہوتے تھے، کبھی نبیوں کا آپس میں اختلاف ہوا ہے؟ کوئی ثابت کرسکتا ہے؟ دنیا والوں کی حالت تو یہ ہے کہ ایک حکومت میں آتا ہے تو سابق حکمران کو گرفتار و جلاوطن کرتا ہے، اُسے ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے، اپنی من مانی کرتا ہے۔ جبکہ ہر بعد والا نبی پہلے نبی کی تصدیق کرتا رہا۔ کبھی تکذیب نہیں کرتا: **"واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم"** پیغمبر کا کام تصدیق کرنا ہے، وہ اہل دِل ہیں۔ تمام انبیاء کے قلوب ایک دِل کی مانند ہیں۔ بلکہ دنیا میں جتنے بھی اہل دِل ہیں، اُن سب کے دِل ایک دِل کی مانند ہیں۔ قلوب میں کثرت نہیں ہے۔ اور اہل عقل کو دیکھیں تو اگر سو افراد ہیں تو سو دماغ ہیں، ان میں کثرت ہی کثرت ہے۔ دماغ میں کثرت ہے، دِل میں وحدت ہے، اہل دماغ میں جھگڑا ہے، اہل دِل میں اتفاق ہے۔ یہ سارے دنیا والے ہدایت تب پائیں گے جب ایک ہو جائیں گے اور ایک ہونا دماغ سے نہیں ہوسکتا، دِل سے ہوگا۔ اہل دِل اللہ والے ہیں، انبیاء اہل دِل ہیں، صحابہ اہل دِل ہیں، یہ اہل دِل ہیں۔ اور یہ جو دنیا میں گھوم پھر رہے ہیں یہ اہل دماغ ہیں، اِنھوں نے کیا کیا ہے؟ کہتے ہیں ہم نے دنیا کو بہت کچھ دیا ہے، ترقی کرکے عروج پر پہنچا دیا ہے۔ تم نے لوہے پر محنت کی، اُسے ہوا میں اُڑا دیا، دوسری دھاتوں پر محنت کی، لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے وجود پر کیا محنت کی ہے؟ یہ جو تم ہواؤں میں اُڑ رہے ہو،

یہ دھاتوں پر محنت کی وجہ سے ہے۔ آخر تمہارا وجود بھی تو کوئی چیز ہے، اُس پر تم نے کیا محنت کی ہے؟ پرواز تو اِس کی بلند ہونی چاہیے۔ پرواز کیسے بلند ہوتی ہے؟ حضرت بلالؓ یہاں فرش پر موجود ہیں، اور حضورؐ فرماتے ہیں: اے بلال! تیرے قدموں کی آہٹ میں نے جنت میں سنی ہے۔ حضرت عمرؓ سے حضورؐ نے فرمایا: عمر! میں نے جنت کی سیر کی تو دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت، سفید محل ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کس کا ہے؟ بتایا گیا کہ آپ کے صحابی عمر کا ہے۔ یہ ہے پرواز کہ چل تو زمین پر رہے ہیں، لیکن ان کے قدم جنت کی زمین پر پڑ رہے ہیں۔ ساتوں آسمانوں سے اوپر ان کی پرواز ہے، یہ اہل دِل ہیں۔ جن کے بارے میں مولائے روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

سیر زاہد ہر مہے یک روزہ راہ سیر عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

محنت مشقت کرکے، ریاضتیں کرکے منزل آہستہ آہستہ پاؤ گے۔ لیکن اپنے دِل میں محبت پیدا کرو، عشق پیدا کرو تو اللہ کی منزل ایک دم پالو گے۔ ساتوں آسمانوں سے اوپر چلے جاؤ گے۔ محبت کی ایسی آگ ہے کہ جب دِل میں اللہ کی محبت ہو تو اپنے محبوب کے سوا سارے جسموں کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے، ختم کر دیتی ہے۔ یہ محبت کی اور راز کی بات ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تسلیم و رضا آجائے، ایمان آجائے تو پھر سب سے پہلی چیز اعتماد ہے۔

لوگ حدیث پر اعتراضات کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لکھی گئیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ حضور کی باتیں ہیں، ہم اللہ کے کلام کو مانیں گے، حدیث کو نہیں مانیں گے۔ اگر تم حضورؐ سے اور حضور کی حدیث سے اعتماد اُٹھاتے ہو تو تمہاری کیا حیثیت ہے کہ تمہاری بات مانیں؟ حضورؐ سے اعتماد اُٹھا کر یہ کہہ رہے ہو کہ تمہاری بات مانیں!؟ چودہ سو سال پہلے تشریف لانے والے اللہ کے پیغمبر جن پر قرآن نازل ہوا، اگر اُن کی نہ مانیں تو تمہاری مانیں؟ حدیث سے اعتماد اُٹھا کر اپنے پیچھے لگانا چاہتے ہو؟ کبھی کہتے ہیں کہ یہ عجمیوں کی سازش ہے، عجمیوں نے لکھی ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو عرب تو بڑے غیرت مند ہیں، اگر یہ لکھنا غلط ہوتا تو اُس زمانے میں عرب اعتراض کرتے، اُس زمانے میں تو اہل عرب نے عجمیوں سے قرآن پڑھا، حدیث پڑھی، عجمیوں کو استاذ بنایا، وہ تو عجمیوں سے خوش تھے، تمہیں کیا ہو گیا؟ پہلی صدی میں کسی نے اعتراض نہیں کیا، دوسری صدی میں کسی نے اعتراض نہیں کیا، یہ منکرین حدیث پیدا کب ہوئے؟ انگیز کے زمانہ میں! تم انگریز لگائے ہوئے پودے ہو، انگریز کے پروردہ ہو، انگریز کے پیدا کردہ ہو، اگر حضور کے زمانے میں یہ اعتراضات ہوتے تو مان لیا جاتا، لیکن انگریز کے آنے کے بعد یہ اعتراضات اُٹھنا دین کے خلاف سازش ہے، لہٰذا کوئی تمہاری باتیں نہیں تسلیم کرے گا۔ یہ ساری چیزیں انگریز کی پیدا کی ہوئی ہیں، اللہ نے قرآن میں کہہ دیا: **"وما آتکم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا"**. اللہ کے محبوب تمہیں

جس چیز کا حکم دیں تم وہ کرگزرو،اور جس چیز سے روکیں،رک جاؤ۔ یہ نبی امی ہیں، جو پاکیزہ چیزوں کو حلال بتلاتے ہیں، اور گندی چیزوں کو حرام بتاتے ہیں،قرآن میں اللہ نے یہ حضور کی صفات بتائی ہیں۔حضور کی زبان مقدس کی گواہی کس نے دی؟ اللہ نے دی،اللہ فرماتے ہیں:”**وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی**“ میرے محبوب کی زبان خواہش سے پاک ہے،انسان کی زبان دِل کی ترجمان ہوتی ہے، جو کچھ دِل میں ہو،زبان اس کی ترجمانی کرتی ہے،میرے محبوب کی زبان خواہش سے پاک ہے،جس کے دِل میں اپنی خواہش نہ ہو،وہ وحی الٰہی کی ترجمان ہے:”**ان ھو الا وحی یوحی**“۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

جو حضور نے کہا وہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے کہا۔لیکن ایک وحی متلو ہے،جس کی تلاوت کی جاتی ہے، اور ایک وحی غیر متلو ہے جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، میں لکھتا رہتا ہوں۔کبھی آپ غصے کے حال میں ہوتے ہیں،کبھی کس حال میں،تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ کیا ہم چیز لکھ لیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”**اکتب یا عبداللہ، اکتب یاعبداللہ،فانہ لایخرج من ھذ الا الحق**“عبداللہ لکھتے رہو،اِس زبان سے حق کے علاوہ کوئی چیز نکلتی ہی نہیں۔جو کچھ ہے حق ہی حق ہے۔نبوت کی زبان جھوٹ سے اور جھوٹ کے شائبے سے پاک ہوتی ہے۔ یہ احادیث کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کی وحی الٰہی کا مجموعہ ہے۔اسے پڑھنا،اس کی مجلس میں بیٹھنا یہ برکات سے خالی نہیں ہے۔ دین کی ابتدا وحی سے ہوئی ہے،عقل سے نہیں ہوئی۔

پہلی حدیث امام بخاری نے جو نقل فرمائی:”**انما الاعمال بالنیات**“ تمام اعمال کا مدار انسان کی نیت پر ہے،اور آخر میں وزن اعمال کا باب رکھا۔آخری باب کا مکمل درس (یہاں بیان نہیں کیا جارہا۔) درس کی کچھ باتیں مشکل ہوتی ہیں جو عوام الناس کو سمجھ نہیں آتیں۔اِس لیے برکت کی خاطر اِس موقع پر تھوڑا بہت پڑھا جاتا ہے۔امام بخاریؒ نے آخری باب وزنِ اعمال کا رکھا۔اِس میں ربط یہ ہے کہ یہ بتایا کہ اعمال کا جو وزن ہوگا اور ترازو کو جو ہلکا پن یا بھاری پن ہوگا وہ عمل کا نہیں نیت کا ہوگا۔ایک آدمی کا عمل چھوٹا ہو،لیکن نیت خالص ہو تو نیت سے عمل کا وزن بڑھ جاتا ہے۔اور اگر عمل بڑھا ہو،لیکن نیت صحیح نہ ہو تو نیت کی خرابی سے وہ کم وزن یا بے وزن ہوجاتا ہے،سب کچھ انسان کی نیت کے مطابق ہوتا ہے۔اب اگر ساری رات نوافل پڑھیں،عبادت کریں،ہم سب مل کر عبادت کریں۔اور ایک حضور کا صحابی ہو،دو رکعت نفل پڑھے تو کیا ہم اُس کی برابری کرسکتے ہیں؟ (نہیں) اللہ تعالیٰ کے ہاں کمیت مطلوب نہیں ہوتی کہ تعداد کتنی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کیفیت مطلوب ہوتی ہے کہ اس کے عمل کی کیفیت کیا ہے۔وزن کتنا ہے۔اور وزن نیت کا ہوتا

ہے۔: **"قل کل یعمل علیٰ شاکلته"**۔ مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قد مبارک چھوٹا تھا، تو کسی نے اُن کے قد سے متعلق کچھ کہہ دیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"لرجل ابن مسعود فی المزان اثقل عنداللہ من جبل احد"** تم عبداللہ بن مسعود کے بارے میں کچھ کہتے ہو، تمہیں پتہ نہیں ہے کہ یہ کون شخص ہے؟ اس کا ایک قدم، ایک پاؤں قیامت کے دن نامہ اعمال میں احد پہاڑ سے زیادہ وزن دار ہوگا۔ اور یہ وزن کس چیز کا ہے؟ یہ نیت کا ہے۔

امام بخاریؒ نے بتایا کہ تمام اعمال میں اصل بنیاد "نیت" ہے۔ حضرت (علامہ انور) شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **"بدأ بمبدء المبادی، وختم بغایة الغایات"**۔ سب سے آخری چیز وزنِ اعمال ہوگی، اِس لیے امام بخاریؒ نے اسے کتاب کے آخر میں رکھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے نامہ اعمال کے اندر ثقل پیدا کردے، اور اس کی حدیث ذکر فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **کلمتان**: دو جملے ایسے ہیں، اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ زبان پر ہلکے ہیں، لیکن نامہ اعمال میں زیادہ بھاری ہوں گے۔ وہ کون سے؟ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ اس میں اللہ کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے، یہ قیامت کے دن زیادہ وزن دار ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مجلس کے اختتام پر ذکر والی حدیث نقل فرمائی کہ انسان کی مجلس کا اختتام اللہ کے ذکر سے ہو۔ اور اس میں اشارہ ہے حسن خاتمہ کی طرف، اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ایمان کے ساتھ ہمارا خاتمہ ہو۔ جیسے حضورؐ نے فرمایا: **"من کان آخر کلامه لا اله الا اللہ، دخل الجنة"**۔ جس کا آخری کلمہ "لا الہ الا اللہ" ہو، وہ جنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی برکات نصیب فرمائے، ہماری نیتوں کو خالص بنائے، یہ طلبہ جو پڑھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دین کے نشر کی توفیق عطا فرمائے، اخلاص سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارا یہاں بیٹھنا اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرمائے۔ آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نقیب محفل ماشاء اللہ مجمع جوڑنے، بٹھانے، جمانے اور سامعین کو چست و تازہ دم رکھنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ البتہ اِس مرتبہ ایک کمی یہ محسوس ہوئی کہ اِس سے قبل جامعہ مظہریہ حسینیہ کے سالانہ جلسہ کے دوران اسٹیج کی طرف سے باقاعدہ اعلان کے ذریعے تصویر کشی اور ویڈیو سے منع کیا جاتا تھا، اَب اِس حوالے سے تساہل برتا گیا ہے۔ بلکہ پہلے تو ماشاء اللہ ایک صاحب اسٹیج پر بیٹھ مستقل نگرانی کیا کرتے تھے کہ مجمع میں کوئی تصویر یا ویڈیو بازی نہ کرے، اَب وہ صاحب بھی دِکھائی نہیں دیتے۔ بانی و مدیر ادارہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم تو جہاں کہیں بھی کسی کو دیکھتے ہیں دورانِ بیان بھی ٹوک دیتے ہیں۔ اور اِس پر ناراضگی اظہار فرماتے ہیں۔ اللہ کرے جامعہ مظہریہ حسینیہ سمیت تمام دینی اجتماعات میں پورے اہتمام سے یہ معمول جاری ہو جائے اور کم از کم دینی اجتماعات تصویر و ویڈیو کی نحوست سے محفوظ رہیں۔ آمین ثم آمین ☆☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

حضرت سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ

وہ دس خوش قسمت اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھیں سید الصادقین نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں جنت کی بشارت دی یعنی ''عشرہ مبشرہ''، اُن میں ایک نمایاں نام حضرت سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعید بن زید فی الجنة ''سعید بن زید جنتی ہیں۔'' [ترمذی، بحوالہ مشکوٰۃ: ۵۷۴]

حضرت سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی بھی تھے، بہنوئی بھی اور برادرِ نسبتی (سالے) بھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت سیدہ فاطمہؓ بنت خطاب حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی زوجہ مطہرہ تھیں اور یہی وہ بہادر خاتون ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا سبب بنیں۔ اور حضرت سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت سیدہ عاتکہ رضی اللہ عنہا بنت زید حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زوجہ طیبہ تھیں۔ [اسد الغابہ: ۱/۹۲۶]

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے والد کا نام زید بن عمرو تھا اور آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت بعجہ رضی اللہ عنہا تھا، آپ کی والدہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے آغاز میں ہی دامن نبوی سے وابستہ ہو گئی تھیں۔ [الاصابہ: ۱/۷۲۸]

حضرت سیدنا سعید رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک تھے، معرکۂ یرموک اور دمشق میں بھی آپ کی نمایاں کارکردگی ہے، البتہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ بھی عطا فرمایا اور غزوہ بدر میں شرکت کے ثواب کی خوشخبری بھی دی کیونکہ سیدنا سعید اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہما کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا ہوا تھا اور ان کی واپسی تب ہوئی جب مسلمان معرکہ بدر سے فارغ ہو چکے تھے۔ [اسد الغابہ: ۱/۹۲۴]

بخاری شریف میں حضرت سیدنا سعید اور دیگر عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھا ہے:
کانوا امامه فی القتال و خلفه فی الصلاۃ یہ حضرات جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے اپنی شجاعت اور پامردی کے جوہر دکھاتے تھے اور نماز میں بڑے اہتمام اور پابندی سے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے پیچھے ہوتے تھے۔

مواخات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعید بن زید اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو باہم بھائی بنایا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات بھی تھے، مدینہ منورہ میں ایک عورت اروٰی بنت اویس نے مدینہ کے حاکم مروان سے شکایت کی کہ حضرت سعید نے میری زمین پر ناجائز قبضہ کرلیا ہے، مروان نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو بلوا بھیجا تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ کا میرے بارے میں یہ خیال ہے کہ میں اس پر ظلم کروں گا؟ حالانکہ میں نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے ایک بالشت زمین ظلم سے لے لی، سات زمینوں کا طوق قیامت کے دن اس کی گردن میں ہوگا۔“ اور پھر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے دعا کی اے اللہ! اگر وہ عورت جھوٹی ہے تو مرنے سے پہلے اندھی ہوجائے اور اس کا کنواں ہی اس کی قبر بن جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا، وہ مرنے سے پہلے اندھی ہوگئی اور اپنے گھر چلتے ہوئے اپنے کنویں میں ہی گر کر مرگئی اور وہی کنواں اس کی قبر بن گیا۔

[الاصابہ: ۱/۲۹/۷، اسد الغابہ: ۱/۹۲۵]

حضرت سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے ۵۱/یا ۵۰/ہجری میں مدینہ منورہ کے قریب ”عقیق“ نامی جگہ میں انتقال فرمایا، آپ کی عمر ۷۳/برس تھی، حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کو غسل دیا، خوشبو لگائی اور نماز جنازہ پڑھائی، آپ کی قبر میں حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اُترے۔ [اسد الغابہ] **رضی اللہ تعالی عنہ و ارضاہ** ☆☆

انجم نیازی

سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خوفِ خدا سے اُس کا بدن چُور چُور تھا — قدسی نہ تھا وہ قدسیوں جیسا ضرور تھا

دِل تھا کہ جیسے مسجد نبوی ہو قبلہ رو — چہرے پہ اُس کے سارے زمانوں کا نور تھا

ہونٹوں پہ شہد جیسی تبسم کی اِک لکیر — لفظوں میں گنگناتی دُعا کا سرور تھا

مہکی ہوئی تھیں ذہن میں اُس کے بصیرتیں — غارِ حرا تھی دل میں، نگاہوں میں طُور تھا

پیغام حق سے پہلے تھا وہ شخص حق شناس — اُس کو صداقتوں کا مکمل شعور تھا

انجم وہ آدمی تھا کہ سمبل تھا نُور کا — احساس کمتری تھا نہ اُس میں غرور تھا

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد مجلس: ۱۰

المجالس الحسنہ

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مد ظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنتؒ]

17 دسمبر 2013ء/14 صفر الخیر 1435ھ، بروز منگل

شہداء بیر معونہ

فجر کے بعد ساڑھے سات بجے کے قریب بخاری شریف کے سبق میں حاضری ہوئی۔ ''کتاب الجنائز'' میں بیر معونہ کے شہید قراء کا تذکرہ آیا (جن کا تفصیلی واقعہ فضائل اعمال وغیرہ میں موجود ہے) حضرت نے رقت آمیز اور محبت وعقیدت سے لبریز لہجے میں فرمایا:

''الحمد للہ! اللہ نے یہ جگہ دیکھنے کی سعادت بھی نصیب فرمائی ہے، ریاض سے تقریباً ساٹھ ستر کلو میٹر کے فاصلے پر ہے، وہاں اوپر آبادی نہیں ہے ایک جگہ پر لکھا ہے ''مقبرۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم'' ستر کے قریب صحابہ یہاں مدفون ہیں۔''

جامع دعا

میرے حضرت سے ایک صاحب نے پوچھا حضرت کوئی جامع دعا بتلا دیں؟ حضرت نے فرمایا: جنازے کی دعا جامع ہے: اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا، اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان ۔اے اللہ! ہمارے زندوں کی، مردوں کی، حاضرین کی، غائبین کی، چھوٹوں کی بڑوں کی، مردوں کی عورتوں کی بخشش فرما دیں۔اے اللہ! ہم میں سے آپ جسے زندہ رکھیں، اسلام پر رکھیں اور جسے موت دیں تو ایمان پر موت دیں۔

موت نقل مکانی ہے

سبق میں فوت شدہ بچوں کی وجہ سے والدین کی مغفرت کا ذکر آیا۔اس پر فرمایا: دین کی سمجھ ہو تو زیادہ پریشانی نہیں ہوتی۔حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے: موت کا معنی مٹنا نہیں بلکہ انتقال مکانی ہے۔ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے عالم دنیا سے عالم برزخ میں منتقل ہو گئے۔اگر نیک اعمال ہیں (اور ہر مسلمان کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا ضروری ہے) تو یہاں سے اچھی جگہ پہنچ گئے۔اور ہم بھی تو کچھ ہی عرصے کے بعد اور نہ جانے اگلے ہی لمحے ان کے پاس پہنچ جائیں گے۔

اللہ میاں کے باریک پردے

ہمارے ایک استاذ فرماتے تھے: عالم برزخ کلی مشکک ہے جس کے مختلف افراد ہیں کسی کو قبر مل گئی وہی اس کا عالم برزخ، کوئی سمندر میں بہہ گیا یا راکھ بن کر اڑ گیا اس کے لیے وہی عالم برزخ ہے۔ برزخ ایک پردہ ہے اور اللہ میاں کے پردے بڑے باریک ہیں۔ لیکن اللہ کبھی کبھی پردے ہٹا بھی دیتے ہیں۔ کوئٹہ میں کہتے ہیں ایک آدمی کا انتقال ہوا، چارپائی رکھی تھی اس کے سینے پر کپڑے میں کچھ حرکت ہوئی، لوگوں نے دیکھا تو سینے پر سانپ بیٹھا ہوا ہے۔ اسی طرح بہاول پور کا ایک ڈاکٹر تھا، نماز کا مذاق اڑایا کرتا تھا، جب فوت ہوا تو مغرب کے بعد اس کی قبر سے آگ کے شعلے نکلتے تھے۔

ہمارے بچپن میں جب میں نارنگ منڈی میں حفظ کرتا تھا وہاں طوفان آیا، طوفان کیا تھا لگتا ہے کوئی عذاب تھا، جیسے قوم عاد و ثمود کے بارے میں آتا ہے کہ ﴿فاهلكوا بريح صرصر عاتية ---- كانهم اعجاز نخل خاوية﴾۔ بارش نہیں تھی اولے برسے تھے، صبح کو مسجد بھری پڑی تھی اور تھانے کے پاس ایک درخت تھا وہ جڑ سمیت اکھڑ کر غیر مقلدین کی مسجد کے صحن میں جا گرا، ایک تھریشر (گندم کی صفائی والی مشین) تھی وہ بھی اپنی جگہ سے دور دوسری طرف جا گری، ایک ٹرالی ہم نے دیکھی جو کئی ساری پلٹیاں کھانے کے بعد ایک پہلو پر کھڑی تھی۔ شام کو مجھے قاری صاحب نے کوئی چیز لینے کے لیے بھیجا راستے میں جاتے ہوئے نگاہ اچانک آسمان کی طرف اٹھی تو میں نے خود دیکھا (اللہ جھوٹ سے بچائے، غلط بیانی سے بچائے) میں نے خود دیکھا آسمان آگ کے شعلوں سے بھرا ہوا تھا ایسا لگتا تھا ابھی گر کر سب کو جلا کر رکھ دینگے۔

اللہ اپنی حفاظت میں رکھے۔ اس کی وجہ کوئی کہتے تھے تبلیغی جماعت کے ساتھ زیادتی کی تھی علاقے والوں نے اور ایک امام مسجد تھے کچھ لوگ ان کی لڑکی کو اغواء کر کے انڈیا وغیرہ بھی لے گئے تھے۔ واللہ اعلم

بس اللہ رحم فرمائے یہ خیر کے سلسلے ہیں۔ مساجد، مدارس، قرآن پاک کی تلاوت، اللہ اللہ کی صدائیں ہیں جن کی وجہ سے اجتماعی عذاب نہیں آتا اور بڑی بڑی آفتیں ٹل جاتی ہیں۔

آزمودم عقلِ دور اندیش را

پھر فرمایا: حضور کا ایک ایک فرمان برحق ہے۔ ہر جگہ عقل چلانے کی ضرورت نہیں، عقل کو مٹانے کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ یہاں جامعہ محمدیہ میں تشریف لائے طلبہ سے بیان میں فرمایا:

> ''ہماری جتنی بھی قوتیں ہیں سب محدود ہیں، قوت باصرہ (دیکھنے کی قوت) محدود ہے، اگر یہ بڑھ جائے تو ہمارے لیے کھانا پینا دشوار ہو جائے، کھانے اور پانی میں کیا کچھ جراثیم مینڈکوں کی طرح

نظر آنے لگیں، اگر قوت سامعہ (سننے کی قوت) بڑھ جائے تو سبق سننا دشوار ہو جائے، ریڈیو اور موبائل کی طرح آوازیں کیچ کرے کتنی آوازیں ہیں فضا میں۔"

ہمارے استاذ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب مدینہ منورہ والے فرماتے ہیں:

"حواس کی جہاں انتہاء ہوتی ہے عقل کی وہاں سے ابتداء ہوتی ہے اور عقل کی جہاں انتہاء ہوتی ہے وحی کی وہاں سے ابتداء ہوتی ہے۔"

مادی ترقی چاہے جتنی بھی ہو جائے سب آسمان سے نیچے نیچے ہے، عرش تک اللہ کے نبی ﷺ کے نورانی طریقے لے جائیں گے۔ امریکہ کے ہوائی جہاز جہاں نہیں پہنچتے حضور ﷺ کے مبارک قدم وہاں لگتے ہیں، ہوائی جہاز تو لوہے کی ترقی ہے اور اس میں بھی کیا کچھ اونچ نیچ ہو جاتی ہے۔ ہم ریاض جا رہے تھے راستے میں جہاز کو اتنے جھٹکے لگے کہ بس اللہ اللہ کر کے ایئر پورٹ پر پہنچا۔ کچھ مسافر کلمہ پڑھتے رہے باقی لوگ خاموش تھے اور کچھ ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ اللہ کے بندو! ایسے وقت میں تو اللہ اللہ کرنا چاہیے۔ یہ بھی توفیق ہے اللہ ایسے وقت کلمہ نصیب فرما دے۔

بیعت کیا ہے؟

فرمایا: بیعتِ طریقت کسے کہتے ہیں؟ کسی زندہ بزرگ [اللہ والے] سے یہ وعدہ کرنا کہ آپ کے مشورے کے مطابق ضروریات دین کی پابندی کروں گا اور گناہوں سے بچوں گا۔

بیعت "بیع" سے ہے جس کا مطلب ہے فروخت کرنا، بیعت میں بھی جنت اور اللہ کی رضا کے بدلے اپنی جان اور خواہشات کو فروخت کیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کے حکم کو خواہشات اور گناہوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔

حدود و تعزیرات کا نفاذ

حدود اللہ کی اہمیت اور افادیت کے حوالے سے فرمایا:

ہمارے حضرت شیخ موسیٰ (روحانی بازی رحمہ اللہ) فرماتے تھے: "لاہوری بزدل ہیں، ایک چور کا ہاتھ کاٹ کر انارکلی کے چوک میں لٹکا دو پورے لاہور کی چوریاں ختم ہو جائیں گی۔"

جیل میں دس سال بھی رہ لیں جرائم ختم نہیں ہوتے، افغانستان میں جب امارتِ شرعی قائم تھی تو کیسا امن وسکون تھا، حالانکہ وہاں گھاٹیاں ہیں جن میں مجرم کا چھپ جانا بہت آسان ہے۔ ایک دفعہ قندھار سے ایک آدمی بوری میں ڈال کر پیسے لے جا رہا تھا، لیکن سوراخ سے پیسے گرتے رہے، واپس آیا اور آکر سارے چن لیے۔ لوگ پیسوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتے تھے کہ یہ طالبان نے گرائے ہیں اور چھپ کر دیکھ رہے ہوں گے۔ اللہ

نے رعب دیا تھا۔ پھر جب امارت ختم ہوئی تو وہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

ایک دفعہ ایک سیاسی جماعت کے کسی عہدے دار نے بیان میں کہا کہ یہ حدود ظالمانہ سزائیں ہیں (نعوذ باللہ)، ہم نے مولانا اجمل خان صاحب کے پیچھے جمعہ پڑھا، تقریر میں فرمانے لگے: اللہ نے انسان کو چار بڑی بڑی نعمتیں عطا کی ہیں:

(۱) عقل، (۲) نسب، (۳) جان، (۴) مال۔

ان کی حفاظت کے لیے اہتمام بھی اتنا ہی کیا۔ عقل کو شراب زائل کرتی ہے تو اس پر اسی کوڑوں کی حد لگا دی، نسب کو زنا ضائع کرتا ہے تو اس پر حد زنا بصورت کوڑے یا رجم لگا دی۔ اور مال کو چوری، ڈاکہ ضائع کرتے ہیں تو اس پر چوری اور ڈاکے کی حد لگا دی اور جان کو قتل زائل کرتا ہے تو اس پر قصاص کی سزا رکھ دی۔ ''و لکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب''۔

اکابر کے دامن سے وابستہ رہیں

فرمایا: جو آدمی دین کی کسی بات پر اعتراض کرے اس سے بڑھ کر بے عقل اور بے وقوف کوئی نہیں۔ میں تو عرض کرتا رہتا ہوں تحقیق حق سے وہی ہوگی جو اپنے بڑوں کی سمجھ سے ملی ہوئی ہو اگر بڑوں سے نہیں ملی ہوگی تو تحقیق حق سے نہیں بلکہ حُقے سے ہوگی اور حقے سے دھواں ہی نکلے گا۔

پھر انتہائی دلسوزی اور دردمندی سے فرمایا:

میں عرض کروں۔ ہم ہزار سال بھی پڑھیں حضرت نانا توی رحمہ اللہ کے علم اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے قدموں کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ بس خیر اسی میں ہے کہ اپنے بڑوں کے پیچھے لگے رہیں۔

درسِ حدیث کا خانقاہی انداز

آخر میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

بخاری شریف کی تدریس کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ خانقاہی انداز میں بدلا جائے، اس طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے۔ باقی امتحان کی تیاری وفاق کے مطابق آپ خود ہی کر لیں گے۔ مسافر سے تھوڑا بھی پڑھ لو گے تو ان شاء اللہ کافی ہو جائے گا۔ اللہ برکت سے بھر دیں گے۔ میرے اندر اب [علمی ابحاث اور معروف درسی تقاریر والی] باتوں کی ہمت نہیں، میرے پاس تو یہی ٹوٹی پھوٹی باتیں ہیں۔

☆......☆......☆......☆

ابن امام اہل سنت مولانا عبدالقدوس قارن مدظلہ

آہ! ترجمان اہلِ حق

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی وفات کسی ایک خاندان، ادارہ یا علاقہ کے لیے ہی صدمہ کا باعث نہیں بلکہ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک سے وابستہ ہر فرد صدمہ سے دوچار ہے۔ حالات کے تقاضا کے مطابق جہاں بھی جمہور کی ترجمانی کی ضرورت ہوئی حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ اہل حق علماء کے اس قافلہ میں شریک رہے جنھوں نے جمہور مخالف افراد و طبقات کا سامنا کیا اور دلائل سے ان کے اعتراضات کے جوابات دے کر جمہور کی جانب سے اتمام حجت کر دی۔ یوں تو ان کی زندگی کا اکثر حصہ اسی انداز میں گذرا مگر تین معاملات میں خصوصیت کے ساتھ میں ان کی خدمات کو سامنے لانا چاہتا ہوں تاکہ اہل علم اور دیندار نوجوان ان کے جمع کردہ علمی تحریری ذخیرہ کا مطالعہ کریں، اس سے یقیناً ان کے اذہان میں پیدا ہونے والے یا پیدا کیے جانے والے بہت سے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوگا اور جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے نظریات کی حقانیت اور اہمیت ان کے سامنے ان شاء اللہ العزیز واضح ہوگی۔

۱- جدیدیت کے فتنوں کا سدباب:

راقم الحروف کے بھتیجے عمار خان ناصر نے کچھ اپنی آزاد فکری اور کچھ اپنے استاد جاوید احمد غامدی کے نظریات سے متاثر ہو کر جب اپنے اکابر کے نظریات سے ہٹ کر علیحدہ فکری و نظریاتی راہ اختیار کی تو خاندان کے بزرگوں اور احباب نے اس کو سمجھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ خاندان کے افراد کے علاوہ ملک بھر کے بہت سے علماء نے اپنے اپنے مدلل اور ناصحانہ انداز میں عزیزم کی اصلاح کے لیے بھرپور کوششیں فرمائیں۔ میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے اس معاملہ میں خاندان کی معاونت فرمائی۔ **جزاھم اللہ خیراً۔** اس معاملہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی مساعی جمیلہ بہت قابل قدر ہیں۔ ''مسجد اقصیٰ کی تولیت''، ''رجم بطور حد شرعی''، ''اجماعی مسائل میں امت کے لیے طریق کار'' اور ''توہین رسالت'' جیسے مضامین میں ان کا تحریری علمی ذخیرہ دور حاضر کے جدت پسندوں کے شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ میرا دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ اور کالج و یونیورسٹی کے طلبہ و اساتذہ کے لیے مشورہ ہے کہ ان موضوعات پر حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے شائع شدہ مضامین کا مطالعہ ضرور کریں اگر ہدایت کے راستہ میں کوئی کوتاہی حائل نہ ہوئی تو ان شاء اللہ العزیز دل منور ہو جائیں گے۔

۲- بدعات کے چور دروازے کی بندش

برکۃ العصر حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے بعض نے جب شیخ محمد علوی مالکی کے نظریات سے متاثر ہو کر اور اسی کے نظریات کی سیڑھی چڑھتے ہوئے حضرات فقہاء کرام کی مجالس ذکر بالجہر کی شرائط و قیود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مجالس ذکر کا انعقاد شروع کیا اور فضائل ذکر کے دلائل کو اور اکابرامت کے اقوال و اعمال کو کھینچا تانی کر کے اپنے مروجہ انداز کی تقویت کے لیے پیش کیا تو جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے نظریہ کی حفاظت کے لیے جو اہل علم میدان میں اترے ان میں حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کی جانب منسوب ہونے اور بعض حضرات کے خود علمی حلقوں میں قدآور شخصیات ہونے کے باعث خطرہ تھا کہ شاید ان کے مقابلہ میں خاموشی ہی اختیار کی جائے مگر جمہور اہل سنت کی ترجمانی کرنے والوں نے ترجمانی کا حق ادا کیا اور واضح کیا کہ اکابرامت کا عمل فقہاء کرام کی بیان کردہ شرائط کے دائرہ میں ہونے کی وجہ سے جائز اور مستحب ہے جبکہ ان حضرات کا مروجہ انداز فقہاء کرام کی شرائط کو نظر انداز کرنے اور اہل بدعت کے نظریات کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مکروہ [و ناجائز] ہے۔

۳- مدلل علمی اختلاف:

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دام مجدہ کی شخصیت دنیا بھر کے علمی حلقوں میں ممتاز اور ملکی سطح پر قابل فخر ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ علمی شخصیت کی ہر بات درست ہو۔ اس لیے جب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دام مجدہ نے بینکاری نظام اور ڈیجیٹل فوٹو کے بارہ میں اپنے نظریات کا اظہار فرمایا تو ان کے استاد محترم حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ سمیت بہت سے اہل علم نے ان سے اختلاف کیا اور تحریری بحث ومباحثہ کیا۔ ان حضرات میں بھی حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا نام نمایاں ہے۔ بینکاری نظام اور ڈیجیٹل فوٹو کے بارہ میں ان کی مدلل تحریرات علمی ذخیرہ ہیں۔

جو بات میں نے ابتداء میں کہی وہی بات پھر آخر میں کہتا ہوں کہ حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی وفات کا صدمہ صرف ایک خاندان، ادارہ یا علاقہ کو نہیں بلکہ مسلک حق کے ساتھ وابستہ ہر فرد کو ہے جو اپنے ایک عظیم ترجمان سے محروم ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور رہتی دنیا تک ان کو امت کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ خاندان کے پس ماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے، اور ادارہ دارالافتاء والتحقیق کو مناسب بدل عطا فرمائے آمین یا الہ العالمین۔ [بشکریہ ماہنامہ دارالتقویٰ، اشاعتِ خاص بیادِ حضرت مفتی صاحب]

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی عبید الرحمٰن، مردان

دلیل شرعی کے قطعی وظنی ہونے کا اُصولی مطالعہ

تعارف مسئلہ:

استدلال اور دلیل سے متعلق اُصولی مباحث میں سے ایک اہم مبحث قطعیت اور ظنیت کی بھی ہے کہ کونسی دلیل قطعی ہے اور کونسی ظنی؟ کوئی دلیل قطعی یا ظنی کیونکر بنتی ہے؟ اور قطعیت وظنیت کا دار ومدار کس بات پر ہے؟ اس مبحث کی اہمیت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ فرضیت وحرمت اور تکفیر وتفسیق جیسے اہم مسائل اس پر مبنی ہیں اور اس بحث کا تصفیہ کیے بغیر ان مسائل میں کوئی درست رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ یہاں اس مختصر سی تحریر میں اس سے متعلق چند باتیں پیش کرنے کی جسارت کی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ یہ باتیں اس باب میں مفید ثابت ہوں گی۔

قطعیت وظنیت کا مفہوم ومطلب:

"قطع" کا مادہ عموماً کسی چیز کو کاٹنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، یہاں اس سے شک وتردد کے احتمال کو ختم کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا اس معنیٰ میں قطعی وہ نص/حکم ہوتا ہے جس میں تردد نہ ہو اور ظنی اس کے برعکس وہ دلیل یا حکم ہے جس میں مخالف احتمال بھی برقرار وموجود ہو گو مغلوب ہو۔

پھر اس کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں جو درحقیقت قطعیت کے دو مرحلے ہیں: ایک یہ ہے کہ دلیل اپنے ثبوت کے لحاظ سے قطعی یا ظنی ہو۔ اور دوسرا مرحلہ ثبوت کے بعد اس کی قطعیت وظنیت کا ہے۔ ثبوت کے لحاظ سے قطعیت کا مطلب یہ ہے کہ دلیل اپنے اصل مصدر وماخذ سے جزم ویقین کے ساتھ ثابت ہو اور اس کے ثابت نہ ہونیکا احتمال موجود نہ ہو، یعنیٰ اس بات کا کوئی قابل لحاظ امکان واحتمال موجود نہ ہو کہ یہ دلیل اپنے اصل مصدر سے ثابت نہیں ہے۔ جبکہ ثبوت کے لحاظ سے ظنیت اس کی برعکس ہے کہ غالب گمان کے مطابق تو دلیل کا ثبوت ہوتا ہو لیکن ساتھ یہ احتمال بھی برابر موجود ہو کہ شاید اس کا ثبوت نہ ہوا ہو۔

مثال کے طور پر کوئی روایت فرض کر لیتے ہیں جو اسنادی لحاظ سے ثابت اور بمنزلہ خبر واحد ہے، اَب جب رواۃ صادق، عادل وضابط ہیں اور تسلسل کے ساتھ وہ اس کو حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچا کر نقل کر رہے ہیں تو اس سے غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ روایت واقعۃً حضور ﷺ کی فرمودہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ایک مرجوح احتمال یہ بھی ہوتا ہے کہ شاید رواۃ نے شعوری یا لاشعوری طور پر خلاف واقع بات بیان کی ہو۔ اس لیے اس کو ثبوت کے لحاظ سے ظنی کہا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی روایت تواتر کے ساتھ نقل ہوتی چلی آئی ہے اور

تواتر بھی ایسا ہو کہ صدرِ اول سے دورِ تدوین تک برابر برقرار رہا ہو تو اس کے ثابت ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اور مخالف احتمال قابل ذکر نہیں رہ پاتا۔ اس لئے اس کو ثبوت کے لحاظ سے قطعی دلیل کہا جائیگا۔

اس معیار کے مطابق قرآن کریم سب کا سب متواتر ہے، جس چیز پر قرآن کا اطلاق درست ہے وہ متواتر ہے، چنانچہ ائمہ قرائت نے کسی روایت کو قرآن قرار دینے کے لیے تواتر کو ضروری قرار دیا ہے۔ احادیث مبارکہ کے ذخیرے میں سے احادیث متواترہ قطعی ہیں اور اخبار آحاد مفید قطع و یقین نہیں ہیں۔ البتہ اگر کوئی روایت اپنے اصل اور نقل کے لحاظ سے ظنی ہو لیکن دیگر کچھ ایسے خارجی قرائن اس کے ساتھ شامل ہو جائیں جو اس کے قطعیت پر دلالت کرتے ہوں تو بہت سے محدثین اور اصولیین کے نزدیک ایسے اخبار آحاد بھی مفید یقین بن جاتے ہیں گو اپنی ذات کے لحاظ سے وہ موجب یقین نہ تھے۔

اجماع کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر کوئی اجماع تواتر کے ساتھ نقل ہو جائے تو وہ کم از کم ثبوت کی حد تک یقینی ہو جاتا ہے۔

دلالت کے لحاظ سے قطعیت وظنیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی مفہوم و معنیٰ کے متعلق یقینی طور پر یہ بات متحقق ہو جائے کہ متکلم کا یہی مفہوم مقصود و مراد تھا تو وہ مفہوم قطعی کہلاتا ہے اور دلیل کو اس مفہوم کے ادا کرنے میں قطعی کہا جاتا ہے۔ اور اگر یہ بات متیقن نہ ہو بلکہ جس طرح اس مفہوم کا مراد و مقصود ہونا ممکن ہو یوں ہی اس کے علاوہ کسی معنیٰ ومفہوم کے مراد ہونے کا بھی امکان ہو اگرچہ اس کا احتمال مرجوح ہو لیکن معتد بہ حد تک اس کا بھی امکان ہو، تو ایسا مفہوم بھی ظنی کہلاتا ہے اور متعلقہ دلیل کو بھی اس مفہوم کے ادا کرنے میں ظنی کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ثبوت و دلالت میں سے کسی ایک اعتبار سے دلیل کا قطعی یا ظنی ہونا اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ دوسری جہت کے لحاظ سے بھی وہ ضرور قطعی یا ظنی ہی ہو بلکہ اس میں تخالف ہو سکتا ہے کہ کوئی دلیل ثبوت کے لحاظ سے تو قطعی ہو لیکن کسی خاص مفہوم کے مراد لینے میں ظنی ہو۔ یوں ہی ثبوت کے لحاظ سے ظنی دلیل بھی بسا اوقات اپنے متعین مفہوم ادا کرنے میں قطعی بن سکتی ہے۔

نیز ثبوت کے لحاظ سے قطعیت وظنیت کا مدار، تو جیسا کہ پہلے تحریر کیا گیا ہے، تواتر کے ساتھ ثابت ہونے پر ہے، اگر کوئی نص تواتر کے ساتھ ثابت ہے تو قطعی ہے ورنہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس جہت کے لحاظ سے قطعی وظنی کی پہچان کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن دلالت کے لحاظ سے کونسی دلیل قطعی اور کونسی ظنی ہے؟ اس بات کی تفصیل اسی تحریر میں ''اصولیین احناف کے نزدیک قطعیات کی فہرست'' کے عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

موانعِ قطعیت اور موجباتِ ظنیت:

قرآن وحدیث اپنے ذات واصل کے لحاظ سے قطعی ہیں، ان میں اگر ظنیت کا پہلو پیدا ہوتا ہے تو

وہ ''احتمال'' ہی کی وجہ سے ہوتا ہے کہ نص کے ثبوت میں عدمِ ثبوت کا یا اس کے معنیٰ ومراد میں کسی دوسرے مفہوم کے مراد لینے کا امکان ہوتا ہے۔ بعض جزئیات ومسائل سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کرام کا کسی مسئلے میں اختلاف ہونا بھی اس بات کا موجب ہے کہ وہ مسئلہ قطعی نہیں ہے بلکہ ظنی ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ اصل واساسی موجب یہی احتمال ہے اور اہل علم کا اختلاف خود نص کے اسی پہلو پر متفرع ہوتا ہے جس کو احتمال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

''احتمال'' نص کے اسی صلاحیت واستعداد کا نام ہے کہ اس میں دوسرے پہلو کا امکان باقی رہے۔ پھر اس کے مظان ومواقع مختلف ہو سکتے ہیں، چنانچہ ایک احتمال تو ثبوت نص میں ہے کہ آیا نص ثابت ہے یا نہیں؟ (اصولِ حدیث کے لحاظ سے) صحتِ سند ضرور اس بات کا متقاضی ہے کہ روایت ثابت ہے لیکن یہ صحت اگر صرف خبر واحد کی حد تک ہو تو اس میں ساتھ عدمِ ثبوت کا احتمال بھی موجود رہتا ہے۔ پھر اگر تواتر کے ساتھ کوئی نص ثابت ہوتی ہے تو اس میں یہ احتمال باقی نہیں رہتا اور اس حد تک وہ قطعی بن جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد احتمال کا دوسرا موقع یہ ہے کہ نص اپنے معنیٰ ومفہوم پر دلالت کرنے میں قطعی ہے یا نہیں؟ جو معنیٰ اس سے مراد لیا جا رہا ہے کیا اس کے متعلق یہ بات متیقن ہے کہ متکلم (یعنیٰ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظّم ﷺ) نے یہی معنیٰ اس سے مراد لیا تھا؟ یا کسی اور معنیٰ کے مراد ومقصود ہونے کا بھی کوئی قابلِ ذکر احتمال موجود ہے؟ اس مرحلے میں بھی اگر کسی طرح یہ احتمال بالکل ختم یا غیر معتد بہ حد تک کم ہو جائے کہ معنیٰ متبادر کے علاوہ کوئی دوسرا معنیٰ مراد ہو تو دلالت کے لحاظ سے نص قطعی بن جاتا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ یہی ''احتمال'' ہی دراصل دونوں مرحلوں میں نص کے قطعیت میں مانع بن جاتا ہے۔

''احتمال'' کے اصناف واحکام:

یہاں تک یہ بات واضح ہوئی کہ دلیل میں ثبوت یا دلالت کسی مرحلے پر مخالف احتمال موجود ہو تو وہ دلیل ظنی کہلائے گی اور اگر دونوں مرحلوں پر مخالف احتمال بالکل نہ رہے یا قابلِ ذکر حد تک نہ رہے تو ہر لحاظ سے دلیل قطعی کہلائے گی اور اگر کسی ایک مرحلہ پر دوسرا احتمال موجود ہو دوسرے مرحلے پر نہ ہو تو اس کے لحاظ سے وہ ایک اعتبار سے قطعی اور دوسری جہت سے ظنی کہلائے گی۔ اس سے واضح ہوا کہ احتمال ہی دراصل مانع قطعیت ہے۔ اس کے بعد یہ بھی واضح رہے کہ ''احتمال'' بھی کوئی لگی بندھی چیز نہیں ہے، بلکہ کلی مشکک ہے، جس میں قوت وضعف وغیرہ کے لحاظ سے تفاوت ہوتا رہتا ہے، یوں ہی غور کیا جائے تو احتمالات کی بات ایک جہان ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہر احتمال کا اعتبار کیا جائے نہ ہی ایسا عملی طور پر ممکن ہے۔ لہٰذا جب تک اس بات کا تصفیہ نہ ہو جائے کہ کونسا احتمال اس قابل ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے اور اس کو مانع قطعیت ٹھہرایا جائے اور کونسا احتمال ایسا نہیں ہے؟ تب تک یہ بحث تشنہ تکمیل رہے گی اور اس سے وہ فوائد ونتائج پیدا نہیں

ہوں گے جو اس تحریر سے مقصود ہیں۔اس لیے اس پہلو پر بھی غور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

احتمال کی بنیادی طور پر تین قسمیں کی جاسکتی ہیں:

۱-احتمال بالدلیل/احتمال ناشی عن دلیل

۲-احتمال بلا دلیل/احتمال غیر ناشی عن دلیل

۳-احتمال خلاف دلیل

اگر کسی کلام کے متبادر معنیٰ کے خلاف کوئی احتمال نکالا جائے اور وہ احتمال ایسا ہو کہ اس کی کوئی واقعی بنیاد بھی موجود ہو گو مرجوح سہی، تو اس کو احتمال ناشی عن دلیل کہا جاتا ہے، پھر جس درجہ اس دلیل کی دلالت وقوت زیادہ ہوگی جس کی بنیاد پر یہ احتمال قائم ہو تو اس حد تک اس کا اعتبار زیادہ ہوگا۔اور اگر معنیٰ متبادر کے خلاف کوئی دوسرا احتمال موجود ہو لیکن وہ احتمال ایسا ہو کہ اس کی پشت پر کوئی دلیل موجود نہ ہو، تو یہ احتمال غیر ناشی عن دلیل کہلاتا ہے۔یہ احتمال معتبر ہوگا یا نہیں؟ اگر معتبر ہو تو کس حد تک اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ ان دونوں باتوں میں اصولیین اور متکلمین کی آراء مختلف ہیں، سب حضرات کا نقطہ نظر ذکر کرنا مقصود نہیں ہے، ان میں سے حضرات فقہاء احناف کا موقف ذکر کیا جاتا ہے۔

احناف کے ہاں نصوص سے استدلال کا اُصولی طریقہ کار:

اُصولیین احناف کے ہاں استدلال یا نصوص کے منطوق سے ہوگا اور یا مفہوم سے۔مفہوم سے یہاں مفہوم موافق مراد ہے جس کو دلالۃ النص کہا جاتا ہے کیونکہ مفہوم مخالف نصوص شرع میں معتبر نہیں ہے۔ پھر منطوق سے استدلال کرنے سے پہلے لفظ نص کو مختلف پہلوؤں سے ٹٹولا جاتا ہے تاکہ اس کا معنیٰ ومفہوم اچھی طرح نکھر کر سامنے آئے اور کسی مرحلہ پر کوئی غموض و پوشیدگی باقی نہ رہے۔اس کے لیے یہ حضرات ''**تقسیمات عشرین**'' ذکر کرتے ہیں جو درحقیقت چار تقسیمات اور اقسام عشرین بنتے ہیں، لیکن اصطلاحاً ان کو تقسیمات عشرین کہا جاتا ہے۔

اس کا عملی طریقہ بہت اجمالی طور پر یہ ہے کہ اوّلاً لفظ نص کو اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ اس کا وضعی معنیٰ کیا ہے؟ اس لحاظ سے چار قسمیں ہوسکتی ہیں: خاص۔عام۔مشترک۔موؤل۔اس کے بعد لفظ اپنے معنیٰ میں ظاہر ہے یا خفی؟ اور دونوں صورتوں میں ظہور وخفاء کی حد کیا ہے؟ اس لحاظ سے لفظ کو دیکھا جاتا ہے۔اس میں ظہور کے لحاظ سے بھی چار قسمیں بنتی ہیں اور خفاء کے لحاظ سے بھی اتنی ہی قسمیں بنتی ہیں۔ظہور کے لحاظ سے ظاہر، نص، مفسر اور محکم ہیں جبکہ خفاء کے اعتبار سے خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ قسمیں بن جاتی ہیں۔ آخری مرحلہ نص سے استدلال کرنے کا ہے چنانچہ استدلال یا تو لفظ نص سے ہوگا یا معنیٰ نص سے، لفظ سے استدلال کرنے کی دو قسمیں ہیں: عبارۃ النص اور اشارۃ النص۔اسی طرح غیر لفظ سے استدلال کرنے کی بھی

دو ہی قسمیں ہیں: دلالۃ النص جس کو بسا اوقات مفہوم موافق سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسری قسم اقتضاء النص ہے۔

احناف کے طریقہ استدلال کا یہ بہت مختصر خلاصہ ہے۔ تدبر و انصاف سے کام لیا جائے تو استدلال واستنباط کا یہ طریقہ بہت دقت، گہرائی اور گیرائی پر مشتمل ہے، ان تمام ترازوں میں لفظ جب تولا جاتا ہے تو اس کے بعد مراد نص تک پہنچنے میں پوشیدگی یا پیچیدگی برقرار رہنے کا امکان بڑی حد تک کم ہو جاتا ہے۔

اُصولیین احناف کے ہاں قطعیات کی فہرست:

اب ان اقسام میں سے کونسی قسم قطعی ہے اور کونسی ظنی؟ تو وہ پہلی تقسیم کے اقسام میں سے پہلی دو قسمیں یعنی خاص اور عام (غیر مخصوص عنہ البعض) قطعی ہیں۔ [خلاصة الأفكار :۵۲، ۷۸] دوسری تقسیم میں ظہور کے لحاظ سے چاروں قسمیں (اکثر اصولیین احناف کے نزدیک) قطعی ہیں۔ (1) یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے ہر مابعد قسم میں ماقبل قسم سے قطعیت زیادہ ہوتی ہے۔ تیسری قسم میں کونسا قسم قطعی ہے اور کونسا ظنی؟ اس کے متعلق کوئی صریح عبارت سرسری تلاش سے تو نہیں مل سکی، البتہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت اگر عام یا خاص کی شکل میں ہو تو قطعی ہے، اسی طرح لفظِ صریح بھی اس تفصیل کے مطابق قطعی بن سکتا ہے۔ آخری تقسیم کے لحاظ سے استدلال کی چاروں قسموں کے متعلق اُصولیین یہی فرماتے ہیں کہ ان سے اپنا مدلول یقینی طور پر ثابت ہوگا، البتہ اگر باہمی تعارض کی صورت پیش آئے تو ہر ماقبل کو مابعد پر ترجیح دیدی

---

(۱)- اِسی کتاب میں ''ظاہر'' کے حکم کے متعلق تحریر ہے:

"(وحكمه: وجوب العمل بما ظهر منه)، واختلف فيه، هل هو علىٰ سبيل الظن أو القطع؟ فقال أبو منصور و عامتهم: بالأول؛ لاحتمال المجاز. وقال أبو زيد والعراقيون: بالثاني؛ لعدم اعتبار احتمال لا ينشأ عن دليل، حتى يصح اثبات الحدود والكفارات بالظواهر." [۸٤]

نص کے متعلق تحریر ہے:

"(وحكمه: وجوب العمل بما اتضح على احتمال تأويل)، وهو حمل الكلام على خلاف ظاهره (مجازي): أي من قبيل المجاز، ولا ينحصر فيه بل يكون احتمال مجازٍ، أو تخصيص، أوغير ذلك، وفيه اشارة الى ان هذا الاحتمال لايخرج النص عن كونه قطعياً، كما ان احتمال الحقية المجاز لا يخرجها عن كونها قطعية، فتبين أنه ماشٍ على قول أبي زيد و من تابعه في الظاهر." [خلاصة الأفكارشرح مختصر المنار:۸٦]

ظہور کے اعتبار سے ان چاروں قسموں کے متعلق تحریر ہے:

"ويظهر التفاوت بين هذه الأربعة عند التعارض؛ لأنه لا تفاوت بينها في ايجاب الحكم قطعاً، فيصير الظاهر متروكاً عند معارضة النص والظاهر، والنص عند معارضة المفسر، والمفسر عند معارضة المحكم." [خلاصة الأفكار:۸۹]

جائے گی گویا کہ ہر ماقبل قسم میں مابعد کی بنسبت قطعیت اور تیقن زیادہ ہے۔

[نوارالانوار شرح المنار: ۱۴۷،۱۵۱]

مجاز، تخصیص اور تاویل کے احتمال کا حکم:

حضرات فقہائے احناف کی اس تقسیم سے واضح ہوا کہ اگر کسی نص میں تاویل، تخصیص، نسخ یا مجاز کا احتمال ہو اور احتمال ایسا ہو کہ ناشی عن دلیل نہ ہو تو ایسا احتمال مانع قطعیت نہیں ہے اور اس کی وجہ سے نص کی قطعیت متاثر نہیں ہوگی۔ چنانچہ خاص کو قطعی کہا گیا ہے جبکہ اس میں تاویل کا احتمال پایا جاتا ہے، اسی طرح عام کو بھی قطعی قرار دیا گیا ہے جبکہ وہاں بہر حال تخصیص کا احتمال موجود رہتا ہے۔ اسی طرح ظہور کے لحاظ سے پہلی دو قسموں میں تاویل اور تخصیص کا احتمال ہوسکتا ہے اور محکم (لعینہ ہو یالغیرہ) کے علاوہ دیگر اقسام میں نسخ کا احتمال بھی برقرار رہتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کو قطعی قرار دیا گیا ہے۔

اس تفصیل میں غور وخوض کرنے کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ اس باب میں احتمال بلا دلیل کا اعتبار ہے اور نہ اس احتمال کا اعتبار ہے جو اگرچہ خلاف دلیل تو نہ ہو لیکن ناشی عن دلیل بھی نہ ہو لیکن اس کے وجود وتعین پر بھی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

دلیلِ نقلی کے قطعیت سے متعلق امام رازی کا موقف:

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اپنے دور کے ائمہ کبار میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو معقولات، علم تفسیر، اور علم کلام وغیرہ میں بڑے بلند مقام سے نوازا تھا، جس کی بدولت انہوں نے اپنے دور میں دفاع اسلام کے باب میں اپنے معاصرین سے سبقت حاصل کی تھی۔ انہوں نے: ''دلیل عقلی ونقلی اور ان کے درمیان تعارض وتقابل کے وقت کیا طریقہ کار اختیار کرلینا چاہیئے؟'' اس سے متعلق اپنی متعدد کتابوں میں بحث فرمائی ہے، لیکن اُصول فقہ سے متعلق اپنی مشہور کتاب '**المحصول**' میں اس حوالہ سے اپنے موقف کو بڑے منقح اسلوب میں پیش کیا ہے، اس کتاب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

المسألة الثالثة فی أن الاستدلال بالخطاب هل یفید القطع أم لا، منهم من أنکره وقال: إن الاستدلال بالأدلة اللفظیة مبنی علی مقدمات ظنیة، والمبنی علی المقدمات الظنیة ظنی، فالاستدلال بالخطاب لا یفید إلا الظن، وإنما قلنا إنه مبنی علی مقدمات ظنیة ؛لأنه مبنی علی نقل اللغات ونقل النحو والتصریف وعدم الاشتراک والمجاز والنقل والاضمار والتخصیص والتقدیم والتأخیر والناسخ والمعارض وکل ذلک أمور ظنیة.

ترجمہ: ظاہر نص یعنی نصوص کے الفاظ سے استدلال قطعی ہوتا ہے یا ظنی؟ بعض لوگ اس کے قطعی ہونے کے منکر ہیں، کیونکہ نصوص کے الفاظ سے استدلال کرنا ظنی اور غیر یقینی مقدمات پر مبنی ہونے کی وجہ سے

ظنی ہوتا ہے۔ ہمارے اس دعوی کی بنیاد یہ ہے کہ نصوص سے استدلال لغت، صرف ونحو کے قواعد نیز لفظ کا مشترک، مجاز نہ ہونا نیز تخصیص، تقدیم وتاخیر، ناسخ، معارض وغیرہ اصولی قواعد پر مبنی ہوتا ہے اور یہ سب قواعد ظنی ہیں۔ (قطعی نہیں، لہٰذا جو استدلال ان قواعد پر مبنی ہو وہ بھی ظنی ہی ہوگا۔)

اس کے بعد آپ نے ان وجوہات کا ظنی ہونا ثابت کیا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

فإذا رأينا دليلا نقليا، فإنما يبقى دليلا عند السلامة عن هذه الوجوه التسعة، ولايمكن العلم بحصول السلامة عنها إلا إذا قيل بحثنا واجتهدنا، فلم نجدها، لكنا نعلم أن الاستدلال بعدم الوجدان على عدم الوجود لا يفيد إلا الظن، فثبت أن التمسك بالأدلة النقلية مبنى على مقدمات ظنية، والمبنى على الظنى ظنى، وذلک لا شک فيه فالتمسک بالدلائل النقلية لا يفيد إلا الظن.

ترجمہ: دلیل نقلی اس وقت دلیل بننے کے قابل ہوتی ہے جب مذکورہ نو (۹) باتوں سے خالی ہو، البتہ ان نو باتوں سے محفوظ ہونے کا علم ممکن نہیں، الا یہ کہ کوئی کہے کہ ہم نے اپنی پوری استطاعت صرف کی ہمیں اس میں کوئی خرابی نظر نہ آئی۔ اس طرح کہنے کی صورت میں بھی یہ عدم وجدان پر مبنی استدلال ہوگا جو خود ظنی ہے۔ معلوم ہوا کہ نقلی دلائل ہمیشہ ظنی مقدمات پر مبنی ہونے کی وجہ سے استدلال کے لحاظ سے ظنی ہوتے ہیں، لہٰذا نقلی دلائل سے استدلال کرنے سے ظن ہی حاصل ہوسکتا ہے یقین نہیں۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ دلیل لفظی کہیں مفید یقین ثابت نہیں ہوسکتی اور یہی امام رازی رحمہ اللہ کا موقف بھی معلوم ہوتا ہے، البتہ اگر کہیں عملی طور پر کسی دلیل نقلی کے ساتھ کچھ ایسے تسلی بخش قرائن بھی مل جائیں جس کی وجہ سے ظنون کے یہ تمام پردے ختم ہوجائیں تو ایسی صورت کو وہ بھی مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

واعلم أن الانصاف أنه لا سبيل إلى استفادة اليقين من هذه الدلائل اللفظية إلا إذا اقترنت بها قرائن تفيد اليقين سواء كانت تلک القرائن مشاهدة أو كانت منقولة الينا بالتواتر. [المحصول:۹۰]

ترجمہ: انصاف کی بات یہ ہے کہ دلائل لفظیہ سے استدلال کر کے قطعیت اور یقین کا حاصل ہونا ناممکن ہے، الا یہ کہ ان نصوص کے ساتھ خارجی قرائن جیسے مشاہدہ یا تواتر وغیرہ مل جائے۔

امام رازی رحمہ اللہ کے اس موقف سے متعلق حضرات اُصولیین کی آراء مختلف ہیں، بعض نے آپ کے ساتھ اس موقف میں اتفاق فرمایا ہے جبکہ اکثر نے مخالفت فرمائی ہیں۔ پھر ثانی الذکر حضرات میں سے بعض نے تو صراحت کے ساتھ اختلاف کیا ہے، جبکہ بعض نے صریح اختلاف کے بجائے دیگر عبارات

وتحریرات کی روشنی میں تاویل کا راستہ اپنایا ہے۔

"**المحصول**" کی خدمت کرنیوالے حضرات میں سے بعض نے اس سے اتفاق کیا ہے اور بعض نے اختلاف۔ چنانچہ کتاب کی تلخیص کرنیوالے علامہ سراج الدین اُرموی نے اس کو تائیداً نقل فرمایا ہے، [**التحصیل من المحصول** :۱/۲۵۵] جبکہ شارح یعنی علامہ قرافی مالکی رحمہ اللہ نے اس پر مختلف مناقشات قائم فرمائے ہیں۔[**نفائس الأصول فی شرح المحصول** :۳/۱۰۸۷] ہمارے اُصولیین احناف میں سے بھی علامہ اتقانی رحمہ اللہ وغیرہ کئی حضرات نے اس موقف سے اختلاف فرمایا اور اس کی تردید فرمائی۔ علامہ اتقانی حسامی کی شرح "تبیین" میں تحریر فرماتے ہیں:

والجواب عمّا قاله الرّازی فنقول: لا نُسلّم أنّ الدّلائل اللفظیّة مبنیة علی عدم الاشتراک وعدم المجاز وعدم الإضمار إلی أخر ماقال. ولئنُ سلّمنا لکن لا نُسلّم أنّ عدم ھذہ الأشیاء مظنون حتّی یکون الموقوف علیه مظنونا، بلُ عدمھا قطعی ووجودھا ظنّی؛ لأنّ الأصل ھو العدم.[التبیین شرح الحسامی فی الأصول:۲/۱۹۴].

ترجمہ: امام رازی کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ نصوص سے استدلال لفظ کے مشترک نہ ہونے، مجاز نہ ہونے پر مبنی نہیں، بالفرض اگر دلیل کا دارومدار ان امور پر بھی ہو پھر بھی ان امور کا نہ ہونا ظنی نہیں جس کی وجہ سے دلیل ظنی بن جائے بلکہ اصل نصوص میں مشترک، مجاز نہ ہونا ہے۔ بالفرض اگر استدلال کرتے وقت ان امور کا احتمال بھی موجود ہو تو وہ ظن کے درجہ میں ہے، (بہر حال ان امور کا نہ ہونا قطعی ہے اور وجود محتمل اور ظنی کیونکہ) اصل ان امور کا نہ پایا جانا ہے۔ (لہٰذا محض احتمال کی وجہ سے ظاہر نصوص سے استدلال کی قطعیت پر کوئی حرف نہیں آسکتا)

بہر حال یہاں صرف اتنا ہی بتانا مقصود تھا کہ امام رازی رحمہ اللہ جن احتمالات وامکانات کے پیش نظر دلائل لفظیہ ونقلیہ کو ظنی قرار دیتے ہیں، ہمارے اُصولیین احناف کے نزدیک ان احتمالات کی وجہ سے دلیل کی قطعیت متاثر نہیں ہوگی اور محض اس کی بنیاد پر دلیل ظنی نہیں بن جاتی۔ چنانچہ ان احتمالات میں سے زیادہ متبادر احتمالات، احتمال تخصیص، تاویل اور مجاز ہے جبکہ ان تینوں کے باوجود ہمارے نزدیک خاص، عام قطعی ہوتے ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

یہ اس موضوع سے متعلق چند باتیں تھیں، امید ہے کہ اس بحث کے سمجھنے میں مفید ومدثابت ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ عبید الرحمٰن۔ مفتی دارالافتاء جامعہ محمدیہ، مایار مردان۔ صفر ۴۳ھ

مولانا ابوسفیر خیر الامین، مردان

مسئلہ صفات باری تعالیٰ......اور صفات و اسماء میں فرق

علم کلام میں صفات باری تعالی اور اسمائے باری تعالیٰ یقیناً مشکل ترین مسئلہ ہے۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسی شخصیت بھی اس مسئلہ میں سلف صالحین کے موقف پر قائم نہ رہ سکی۔علامہ سعید فودہ نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے موقف پر کافی تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے۔جو"**الکاشف الصغیر عن عقائد ابن تیمیہ**" میں دیکھا جاسکتا ہے۔زیر نظر مضمون میں اسماء اور صفات باری تعالی پر مختصر کلام پیش خدمت ہے۔

پہلا مسئلہ: اسماء اور صفات کے درمیان فرق:

ا:اسمائے باری تعالیٰ سے صفات باری تعالیٰ مشتق ہوتے ہیں،لیکن اس کا عکس درست نہیں کہ صفات سے اسمائے باری تعالی مشتق ہوں۔مثلاً: رحیم سے رحم اور کریم سے کرم اور سمیع سے سمع کا اشتقاق درست ہے،لیکن ضحک باری تعالی کے لیے ایک صفت مستعمل ہے نصوص میں۔اس سے ضاحک کا اشتقاق درست نہیں۔اور اسی طرح مکر سے ماکر کا۔

۲:اسمائے باری تعالی کا تعلق ذات کے ساتھ ہوتا ہے، جیسے:علیم،حکیم،اور سمیع ان تینوں کا تعلق ذات کے ساتھ ہے۔اور صفات کا تعلق بھی ذات کے ساتھ ہے لیکن بمعنی نعوت اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتے ہیں... جیسے علم،سمع،بصر

نوٹ:صفات اور نعوت کے درمیان فرق کتب منطق میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۳:اسمائے باری تعالیٰ کے ساتھ ندا جائز ہے جیسے یا رحیم،یا کریم کہنا درست ہے۔لیکن صفات کے ساتھ نداء درست نہیں،مثلاً:یارحم،یا کرم، کہنا جائز نہیں۔

۴:لفظ عبد اسمائے باری تعالیٰ کے ساتھ لگتا ہے،یعنی عبد کی اضافت اسماء کی طرف درست ہے، لیکن صفات کی طرف جائز نہیں،مثلاً:عبدالکریم،عبدالرحیم نام رکھنا تو جائز ہے،لیکن عبدالکرم،عبدالرحم نام رکھنا درست نہیں۔

۵:اسمائے باری تعالی توقیفی ہیں۔جبکہ صفات متعدد کی مختلف اقسام ہیں۔جنھیں کئی تقسیمات کے تحت ذکر کیا جاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ:صفات کی تقسیم:

صفاتِ باری تعالیٰ چند تقسیمات میں منقسم ہیں۔

صفات کی پہلی تقسیم: ذاتیہ اور فعلیہ:

[۱] صفات ذاتیہ: ذات کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اور ان کے اضداد باری تعالیٰ سے **منتفی** ہیں۔ مثلاً: صفتِ علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہیں اور علم کی ضد جہل ہے، اور وہ باری تعالیٰ سے **منتفی** ہے۔ [۲] صفات فعلیہ: یہ وہ صفات ہیں کہ ان کے ساتھ بھی اللہ رب العالمین موصوف ہیں اور ان کی اضداد کے ساتھ بھی، لیکن ان کا تعلق غیر کے ساتھ ہوتا ہے، جیسے: احیاء و امامت، اعزاز و اذلال۔

دوسری تقسیم: ثبوتیہ اور سلبیہ:

[۱] صفات ثبوتیہ: یہ وہ صفات ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ یا ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا ہو، ان صفات میں "ما" اور "لا" نہیں آتا۔ [۲] صفات سلبیہ: اللہ جل شانہ یا اس کے رسول نے اللہ پاک سے ان کی نفی ہو۔ اور ان میں "ما" اور "لا" آتا ہے۔

نوٹ: صفات سلبیہ کو صفات کہنا تسامح ہے، کیونکہ صفت وہ ہوتی ہے جو موصوف کے لیے ثابت ہو، جبکہ یہ تو سلب یعنی منفی ہوتے ہیں۔

تیسری تقسیم: صفات ثبوتیہ کی اقسام:

صفات ثبوتیہ کی تین قسمیں ہیں:

[۱] حقیقیہ محضہ: اس کا تعلق غیر کے ساتھ ہو یا نہ، لیکن اللہ ان کے ساتھ موصوف ہوتا ہے، جیسے حیات، علم، قدرت وغیرہ

[۲] حقیقیہ ذات الاضافت: مفہوم کے اعتبار سے ان میں غیر نہیں ہوتا، لیکن تحقق کے اعتبار سے غیر اس میں ہوتا ہے۔

[۳] اضافیہ محضہ: اگر غیر موجود ہو تو اللہ کے لیے ہم بول سکتے ہیں اور اگر نہ ہو تو نہیں، جیسے رازق وغیرہ۔

چوتھی تقسیم: صفات سلبیہ کے بھی تین قسمیں ہیں:

[۱] جن کا رجوع ذات کی طرف ہو۔ علماء کرام کی اصطلاح میں ان کا نام ہے: راجع الی الذات۔

[۲] جن کا رجوع صفات کی طرف ہو، یعنی راجع الی الصفات ہوں۔

[۳] جن میں احوال کی طرف رجوع ہو، یعنی راجع الی الاحوال ہوں۔

پانچویں تقسیم:

پانچویں تقسیم عند الصوفیہ ہے جبکہ متکلمین اس کے قائل نہیں۔ اور وہ ہے صفات جمالیہ اور صفات جلالیہ۔ اِس پر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے "روح المعانی" کے اندر شرح و بسط سے کلام کیا ہے۔ ☆☆

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط: ۷

غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر

شادی شدہ زانی کے رجم کا انکار

غامدی صاحب اپنے اِسی تصورِ حدیث کے سبب خاص زانیوں کے لئے تو رجم کے قائل ہیں، لیکن ہر شادی شدہ زانی کے لئے رجم کی سزا کے انکاری ہیں، اور رجم کو بطورِ حد نہیں مانتے، یہ مضمون کافی علمی اور طویل ہے مگر اِس جگہ اُس کا ذکر کئے بغیر آگے گذر جانا مناسب نہیں لگتا ہے، بجائے غامدی صاحب کی ترتیب کے ہم کچھ اپنی ترتیب سے بحث کرتے ہیں، اُس کے ضمن میں غامدی صاحب کی باتوں پر بھی موقع کے مناسب تبصرہ ہوگا،

شادی شدہ زانی کے رجم سے متعلق قولی احادیث:

۱) نبی کریم ﷺ سے آپ ﷺ کا ارشاد نقل ہے:

لَایَحِلُّ دَمُ اِمْرِیءٍ [مُسْلِمٍ] یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا اَحَدُ ثَلاثَةِ نَفَرٍ [وفی روایة بِاِحْدٰی ثَلاثٍ] اَلنَّفْسِ بِالنَّفْسِ، وَالثَّیِّبِ الزَّانِیْ، وَالتَّارِکِ لِدِیْنِهٖ اَلْمُفَارِقِ لِلْجَمَاعَةِ. مسلمان آدمی (جو اللہ تعالی کی توحید اور حضور ﷺ کی رسالت کا اقراری ہے اُس) کا قتل حلال نہیں، مگر تین آدمیوں کا قتل حلال ہے (اُن کی اِن حرکتوں کی وجہ سے) جان کا جان کے بدلے، اور شادی شدہ زانی کا، اور اُس کا جو اپنے دینِ حق کو چھوڑ دے یعنی مسلمانوں کی جماعت سے جدا ہو جائے۔

اِس مضمون کی حدیث بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود [بخاری ۶۸۷۸، مسلم ۲۵ (۱۶۷۶) ابن ماجہ ۲۵۳۴، ابوداؤد: ۴۳۵۲، ترمذی ۱۴۰۲، نسائی مجتبیٰ ۴۰۱۶، ۴۷۲۱، ابن ابی شیبہ ح ۲۷۹۰۱، ۳۶۴۹۲، مسند احمد ۳۶۲۱، ۳۶۲۲، ۳۰، دارمی ۲۳۴۴، ۲۴۹۱، مسند ابی یعلی ۵۲۰۲، المنتقیٰ لابن الجارود ۸۳۲، مستخرج ابی عوانۃ ۶۱۵۴، ۶۱۵۵، ۶۱۵۶، ۶۱۷۵، شرح معانی الاثار ۱۸۰۴، ابن حبان ۴۴۰۷، ۴۴۰۸، ۵۹۷۶، ۵۹۷۷]

(۲) حضرت عائشہ [مسند احمد ۲۴۳۰۴، ابن ابی شیبہ ح ۲۷۹۰۴، مسند اسحاق بن راہویہ ح ۱۶۰۳، مسند ابی یعلیٰ ۴۶۷۶، شرح معانی الاثار ۱۸۰۵، ۱۸۰۹، المستدرک ۸۰۴۱، ۸۰۴۲، ۸۰۴۳، ۸۰،

۸۰۹۵،مسلم ۲۶(۱۶۷۶)نسائی مجتبی ۴۰۴۸،مسند البزار ۱/۲۰۱/۱۸،رقم ۱۸۸]

(۳)حضرت عثمان بن عفان [شرح معانی الاثار ۴۹۳۳،مسند الشافعی ص ۱۶۴،مصنف عبدالرزاق ۱۸۷۰۱،ابوداؤد ۴۵۰۲،ترمذی ۲۱۵۸،المستدرک ۸۰۲۸،الاحادیث المختارۃ ۳۱۸،۳۶۸،ناسخ الحدیث ومنسوخہ لابن شاھین ۵۳۴،الدیات لابن ابی عاصم ص ۸]

(۴)حضرت ابوہریرہ: مسند البزار [۹۸۰۴]

(۵)حضرت جابر بن عبداللہ: مجمع الزوائد [رقم ۱۰۵۱۹،] بحوالہ مسند البزار۔

(۶)حضرت عمار بن یاسر: مجمع الزوائد [رقم ۱۰۵۲۰] کنز العمال [۳۸۲،طب]

(۷)حضرت طلحہ: تخریج احادیث احیاء علوم الدین بحوالہ مسند احمد [۱۳۳۳/۴] مسند احمد [۱۴۰۲]

اِن حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے تین صورتوں میں کلمہ گو مسلمان کو مباح الدم قرار دیا ہے،اول یہ کہ مسلمان دوسرے مسلمان کو عمداً ناحق قتل کردے،تو قاتلِ عمد مباح الدم ہوگیا،اور اُس کا قتل قصاص کی صورت میں بالفاظِ قرآن فرض ہے،غامدی صاحب کو اِس سے کوئی انکار نہیں ہے۔

ثانی یہ کہ محصَن یعنی ثیّب ہوجانے کے بعد زنا کا مرتکب ہو،تو مباح الدم ہوکر رجم یعنی سنگ سار کی صورت میں قتل کردیا جائے گا۔

ثالث یہ کہ دین سے پھر جائے مسلمانوں کی جماعت چھوڑ دے یعنی کافر ہوجائے، تو مرتد ہوجانے کے سبب مباح الدم ہوکر قتل کردیا جائے گا۔

غامدی صاحب کو اِن دونوں باتوں سے اختلاف ہے،اُن کے نقطہ نظر میں ’’مرتد کی سزا قتل ایسی سزا ہے جس کا وجود ہی اسلامی شریعت میں نہیں ہے۔‘‘ [برہان:۱۴۳]

یعنی چاہے نبی کریم ﷺ اپنے ارشاد میں فرمائیں کہ وہ قتل کیا جائے گا مگر غامدی صاحب کے خیال میں نبی کا یہ فرمان اسلامی شریعت نہیں ہوگا،موقع ملا تو اِس کی بحث بھی کردی جائے گی ان شاءاللہ۔

ایسے ہی غامدی صاحب زانی محصن (شادی شدہ) کے لئے صرف بعض حالات میں تو رجم کی سزا کے قائل ہیں اور وہ بھی بطور حد قائل نہیں ہیں بلکہ حاکم مناسب سمجھے تو دے سکتا ہے، بلکہ رجم کی سزا حاکم اپنی صوابدید پر مخصوص غیر شادی شدہ کو بھی دے سکتا ہے،مخصوص شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سے مراد کون ہیں؟،اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

’’امام حمیدالدین فراہی کی اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ زانی کنوارہ ہو یا شادی شدہ،اُس کی اصل سزا تو سورہ نور میں قرآن کے صریح حکم کی بناء پر سو کوڑے ہی ہے،لیکن مجرم اگر زنا بالجبر کا ارتکاب کرے،

یا بدکاری کو پیشہ بنالے، یا کھلا کھلا اوباشی پر اتر آئے، یا اپنی آوارہ منشی بدمعاشی اور جنسی بے راہ روی کی بناء پر شریفوں کی عزت و ناموس کے لئے خطرہ بن جائے، یا مردہ عورتوں کی نعشیں قبروں سے نکال کر اُن سے بدکاری کا مرتکب ہو، یا اپنی دولت و اقتدار کے نشے میں غرباء کی بہو بیٹیوں کو سر بازار برہنہ کرے، یا کم سن بچیاں بھی اُس کی درندگی سے محفوظ نہ رہیں، تو مائدہ کی اِس آیت محاربہ (**اِنَّـمَا جَزَآءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الاية**) کی رو سے اُسے رجم کی سزا بھی دی جا سکتی ہے، الخ'' [برہان: ۹۱]

اب حضرت ابن مسعود اور حضرت عثمان اور حضرت عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کی یہ حدیثیں جو آئی ہیں، اِن میں ایسی کوئی قید نہیں، بلکہ یہ مطلق ہیں تو اِس پر کیا کہیں گے؟

غامدی صاحب نے اِن میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا ذکر کیا، سند پر تو کوئی بحث نہیں کی، ضعیف من گھڑت تو نہیں کہا، مگر دوسری روایات پر تبصرہ کے ضمن میں اِس پر بھی تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''اسی طرح احصان اور محصن کے الفاظ جو شادی اور شادی شدہ کے لئے دوسری اور تیسری روایت میں استعمال ہوئے ہیں اُن کے بارے میں عربی زبان سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ لغت عرب میں وہ جس طرح اس معنی کے لئے بولے جاتے ہیں اسی طرح غلامی اور غلام کے مقابلے میں آزادی اور آزاد اور عفت اور صاحب عفت کے لئے بھی عام استعمال ہوتے ہیں، حضور ﷺ کی بعثت کے بعد اہل لغت نے بصراحت بیان کیا ہے کہ یہ اسلام اور مسلمان کے معنی میں بھی مستعمل ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک ایسا قانون بیان کرنے کے لئے جس کے نتیجے میں کسی انسان کو سنگ ساری جیسی سزا دی جائے گی، مختلف معانی کے محتمل یہ الفاظ بغیر کسی قرینے کے استعمال کئے گئے، چنانچہ **زنا بعد احصان** کو اگر کوئی شخص مثال کے طور پر'' آزاد ہو جانے کے بعد زنا'' کے معنی میں لے تو روایت کے الفاظ میں وہ کون سی چیز ہے جو اس معنی میں رکاوٹ بنے گی؟'' [برہان: ۶۲، ۶۳]

جواب: اولاً: غامدی صاحب کی تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ اِس حدیث میں لفظ احصان اور محصن ہے، اور یہ لفظ کئی معانی میں آتا ہے، اگر اِس کا معنی شادی شدہ ہونا ہے تو اِس کا معنی آزاد ہونا بھی ہے، اور مسلمان ہونا بھی ہے اور۔۔۔ اور۔۔۔ تو یہ لفظ مبہم ہوا لہٰذا اِس حدیث سے ہر شادی شدہ زانی کے لئے سنگ ساری کی سزا ثابت کرنا ٹھیک نہیں ہے، لیجئے یہ ہے غامدی صاحب کا تسلی بخش جواب، جس کو سُن اور پڑھ کر شاید غامدی صاحب کا اندھا معتقد تو خاموش ہو سکتا ہے مگر کسی صاحب علم کو اِس سے تسلی نہیں ہو سکتی، اور امید ہے کہ دل میں غامدی صاحب بھی سمجھے ہوں گے کہ یہ جواب جواب نہیں ہے، محض کچھ لکھ لینا ہے اور

بس، اگر نبی کریم ﷺ کی حدیث کو جھٹلانے کا یہ طرز جاری ہو کہ ”اِس لفظ کا تو یہ معنی بھی ہے اور یہ بھی ہے اور یہ بھی ہے تو مبہم ہوا“ لہٰذا ثبوت درست نہیں ہے۔“

تو پھر اس طرح نماز جیسی مخصوص عبادت کے لئے صلوۃ بھی مبہم ہے کیوں کہ اُس کے بھی بہت سے معنی ہیں لہٰذا اصلوۃ سے نماز ثابت کرنا درست نہیں ہے، ”وانحر“ کے معنی قربانی کرنے کے ہیں تو سینہ پر ہاتھ باندھنے کے بھی ہیں، لہٰذا مبہم ہوا، تو اِس سے قربانی کا ثبوت درست نہیں، وغیرہ، وغیرہ، اِس طرح کی بہت مثالیں دی جاسکتی ہیں، اور اِس طرز سے سارا قرآن اور ساری احادیث مبہم ہو کر کُل دینِ اسلام ہی مبہم ہوا، لہٰذا کہنے والے کہہ سکیں گے کہ مسلمان ایک مخفی الحقیقت اور مبہم دین کے پیروکار ہوئے جس کا بطلان اُس کی مبہم تعلیمات سے ثابت ہوا، لیجیے اب کیا کہیں گے؟ پھر تواتر، تواتر اور اجماعِ امت کی رٹ لگانا بھی آپ کے کام نہیں آئے گا۔

ثانیاً: آنجناب خود حدیث کے لئے یہ اصول بیان کرتے ہیں:

”حدیث کا مدعا متعین کرتے وقت اس باب کی تمام روایات پیش نظر رکھی جائیں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حدیث کا ایک مفہوم سمجھتا ہے، لیکن اُسی باب کی تمام روایتوں کا مطالعہ کیا جائے تو وہ مفہوم بالکل دوسری صورت میں نمایاں ہوجاتا ہے۔“ [میزان: ۶۴، ۶۵]

تو اِسی اصول پر آنجناب کو روایات کے سب الفاظ سامنے رکھنا چاہیے تھا، اوپر اِن حدیثوں کے مختلف الفاظ میں سے جو الفاظ ہم نے نقل کئے وہ ہیں **”اَلثَّیِّبُ الزَّانِیُ“** یہ الفاظ آپ کی تقریر کا گویا منہ چڑا رہے ہیں کہ جناب! ان حدیثوں میں جہاں لفظ **محصن** آیا ہے وہ **ثیب** کے معنی میں ہے، کسی بھی دوسرے معنی میں نہیں ہے، نہ مبہم ہے، اب آپ لغت کی کتابوں سے دیکھ لیجیے، آپ کو کتبِ لغت بتائیں گی کہ **”رجلٌ ثیب، امرأة ثیبة“** شادی شدہ مرد، اور عورت کو کہتے ہیں، یہ تو ہے حضور ﷺ کی حدیث سے حدیث کی تفسیر، غامدی صاحب میں غرور اتنا محسوس ہوتا ہے کہ یہ صاحب قرآن مجید کی آیت کے بارے میں مفسّرین کی تفاسیر کی طرف اور نبی کریم ﷺ کی احادیث کے مفہوم سے متعلق شارحینِ حدیث کی شروحات کی طرف توجہ کرنا اپنے لئے جیسے عار سمجھتے ہوں، اگر شارحینِ حدیث کی شروحات کی طرف رجوع کرتے تو اُنہیں نظر آتا کہ جتنے بھی شارحین ہیں وہ سب اِس حدیث میں **محصن** کے لفظ کو شادی شدہ کے مفہوم میں لیتے ہیں، کوئی شارح بھی ایسا نہیں جو ایک معنی سے زیادہ کا کم از کم احتمال ہی بیان کردے، مگر چونکہ حدیث سے حدیث کا مفہوم ثابت ہوگیا ہے، اس لئے شارحین کے حوالے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

تو یہ احادیث غامدی صاحب اور اُس کے ہم فکر گروہ پر قرض ہوئیں، دیکھیں کب اِس قرض

کو اتارتے ہیں؟

۲) نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **الولد للفراش وللعاهر الحجر، للعاهر الاثلب**، بچہ بستر والے کا ہے، اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

پتھر مارنے کو ہی سنگ سار کہتے ہیں، اِس حدیث میں رسول کریم ﷺ نے زانی کو پتھر مارنے یعنی سنگ سار کرنے کا حکم دیا ہے، یہ حدیث بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

(۱) حضرت عائشہ: صحیح بخاری [۶۸۱۷، ۲۰۵۳، ۲۲۱۸،] مؤطا امام مالک [۷۳۹/۲، رقم ۲۰] عبدالرزاق [۱۳۸۱۸] احمد [۲۴۹۷۵، ۲۵۶۴۴، ۲۶۰۰۱، ۲۶۰۹۳،] ابن ماجہ [۲۰۰۴] ابوداوٗد [۲۲۷۳] نسائی المجتبی [۳۴۸۷] صحیح مسلم [۳۶ (۱۴۵۷)]

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود: جامع الاصول [۸۳۹۰] سنن سعید [۲۱۳۲] نسائی الکبری [۵۶۵۰] نسائی المجتبی [۳۴۸۵، ۳۴۸۶،] امثال الحدیث لابی الشیخ الاصبھانی [۲۱۲]

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو: جامع الاصول بحوالہ ابوداوٗد [۸۳۹۷] مصنف ابن ابی شیبۃ [۱۷۶۸۷] احمد [۶۶۸۱، ۶۹۳۳۔] ابوداوٗد [۲۲۷۴] مجمع الزوائد [۱۰۲۶۲]

(۴) حضرت ابوامامہ باہلی: ابن ماجہ [۲۰۰۷] مصنف عبدالرزاق [۲۷۷۰] سنن سعید بن منصور [۴۲۷] ترمذی [۲۱۲۰]

(۵) حضرت ابوہریرہ: بخاری [۶۸۱۸] مصنف عبدالرزاق [۱۳۸۲۱] مسند الحمیدی [۱۱۱۶] سنن سعید [۲۱۳۱] ابن ابی شیبۃ [۱۷۶۹۰] احمد [۸۲۶۲، ۷۷۶۳، ۹۰۰۳، ۱۰۱۵۳،] دارمی [۲۲۸۱] ابن ماجہ [۲۰۰۶] ترمذی [۱۱۵۷] مستخرج ابی عوانۃ [۴۴۵۳]

(۶) حضرت عمرو بن خارجہ، ابن ماجہ [۲۷۱۲] مصنف عبدالرزاق [۱۶۳۰۶] سنن سعید بن منصور [۴۲۸] احمد [۱۷۶۶۴، ۱۷۶۶۵، ۱۷۶۶۹ ، ۱۷۶۷۰، ۱۸۰۸۱، ۱۸۰۸۶، ۱۸۰۸۷،] المعجم الکبیر للطبرانی [۳۳/۱۷، رقم ۶۲، ۔۔ ۶۵،]

(۷) حضرت عثمان بن عفان: مسند احمد [۴۱۶، ۴۱۷، ۴۶۷،] ابن ماجہ [۲۲۷۵]

(۸) حضرت علی بن ابی طالب: مسند احمد [۸۲۰] مجمع الزوائد [۸۷۴۷]

(۹) حضرت عبادہ بن صامت: مسند احمد [۲۲۷۸۸] مجمع الزوائد [۷۰۵۹]

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عباس: مسند البزار [۵۱۸۷] المعجم الکبیر للطبرانی [۱۸۳/۱۱، رقم ۱۱۴۳۴] الخلافیات بین الامامین للبیہقی [۳۴۱۲] مجمع الزوائد [۴۴۳۳]

(۱۱) حضرت عبداللہ بن زبیر: سنن النسائی الکبریٰ [۵۶۴۹]

(۱۲) حضرت معاویہ بن ابی سفیان: مسند ابی یعلی [۷۳۹۰] مجمع الزوائد [۷۸۵۳]

(۱۳) حضرت عبداللہ بن زمعۃ: شرح مشکل الآثار [۴۲۴۹]

(۱۴) حضرت عمر بن خطاب: شرح مشکل الآثار [۵۱۲۹]

(۱۵) حضرت واثلہ بن الاسقع: المعجم الکبیر للطبرانی [۲۲/۸۳، رقم ۲۰۱] فوائد تمام [۱۲۰۴]

(۱۶) حضرت معاذ بن جبل: مسند الشامیین للطبرانی [۱/۲۳۵، رقم ۴۱۷]

(۱۷) حضرت انس بن مالک: مسند الشامیین [۱/۳۶۰، رقم ۶۲۰، ۶۲۱]

(۱۸) حضرت ابووائل عن عبداللہ بن حذافہ بن قیس: المستدرک [۶۶۵۱]

(۱۹) حضرت عبداللہ بن عمر: مجمع الزوائد بحوالہ مسند بزار [۷۸۴۹]

(۲۰) براء بن عازب وزید بن ارقم: مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی، [۷۸۵۵]

(۲۱) حضرت حسین بن علی: مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط، [۷۸۵۶]

متعدد تابعین سے مرسلاً بھی مروی ہے، تو یہ حدیث بیس سے اوپر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور جو حدیث دس یا دس سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم روایت کریں وہ متواتر ہوتی ہے، اس لئے یہ حدیث متواتر ہے، علامہ محمد بن جعفر کتانی (م ۱۳۴۵ھ) اِس حدیث کو متواتر کہتے ہیں، اور تیسیر کتاب (شرح جامع صغیر ۲/۴۸۷ مولفہ علامہ عبدالرؤوف مناوی) سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے، ایسے شرح مواہب لدنیہ میں بھی اِس کو متواتر کہا گیا ہے۔ (نظم المتناثر: ۱۶۳)

امام ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

وفی قولہ ﷺ وللعاھر الحجر ایجاب الرجم علی الزانی ....الاان العاھرفی ھٰذاالحدیث المقصود الیہ بالحجر ھو المحصن دون البکر (التمھید لمافی المؤطامن المعانی والاسانید ۸/۱۹۵) نبی کریم ﷺ کے اِس فرمان میں ہے کہ زانی پر رجم (سنگ سار) واجب ہے، اور اِس حدیث میں زانی سے محصن (شادی شدہ) زانی مراد ہے نہ کہ غیر شادی شدہ۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) اور علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمہ اللہ (م ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں:

وفی ترجمتہ ھنااشارۃ الی انّہ یرجح قول من اوّل ھنابانّہ الحجر الذی یرجم بہٖ الزانی، وقدتقدم مافیہ، والمرادمنہ ان الرّجم مشروع للزانی بشرطہٖ لا انّ علی کل من زنی الرجم (فتح الباری ۱۲/۱۲۸، باب الرجم فی البلاط، شرح القسطلانی ۱۰/۱۱) امام بخاری

کے ترجمۃ الباب میں اشارہ ہے کہ **"للعاہر الحجر"** کی مراد میں امام بخاری کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ وہ پتھر مراد ہیں جن سے زانی کو رجم کیا جاتا ہے، بحث پہلے گذر چکی ہے، مقصود یہ ہے کہ جب شرط (محصن ،شادی شدہ ہونا) موجود ہوتو زانی کا رجم شرعی حکم ہے، حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ہر زانی پر رجم ہے۔ (غیر شادی شدہ زانی خارج ہے)

علامہ محمد بن یوسف کرمانی رحمہ اللہ (م ۷۸۶ھ) اِس حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں:

وللعاهر ای الزانی الحجر ای الرجم (الكواكب الدراری:۲۰۴/۲۳)

زانی کے لئے پتھر ہیں یعنی رجم ہے۔

بہرحال یہ حدیث بھی شادی شدہ زانی کے رجم کی دلیل ہے۔

آیتِ رجم والی احادیث:

بہت سی روایات میں آیا ہے کہ اِس بارے میں آیتِ رجم نازل ہوئی تھی، اور اُس کے مخصوص الفاظ بھی تھے: **"اَلشَّیْخَۃُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَازَنَیَافَارْجُمُوْھُمَااَلْبَتَۃَ ،نَکَالاً مِنَ اللّٰہِ ،وَاللّٰہُ عَزِیْزٌحَکِیْمٌ"**

اس کو متن کے ساتھ اور متن کے بغیر روایت کرنے والے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں:

(۱) حضرت عمر بن خطاب: بخاری [۶۸۳۰،۷۳۲۳،] مؤطا امام مالک [۸۲۴/۲،باب فی الرجم رقم ۱۰] مسند الشافعی [ص۱۶۳] مصنف عبدالرزاق [۹۷۵۸، ۱۳۳۲۹،۱۳۳۶۴،] مسند الحمیدی [۲۵] ابن ابی شیبۃ [۳۷۰۴۳] مسند احمد [۲۴۹، ۲۷۶،۳۰۲،۳۳۱،۳۹۱،] دارمی [۲۳۶۸] ابن ماجہ [۲۵۵۳] ابوداؤد [۴۴۱۸] ترمذی [۱۴۳۲] نسائی الکبری [۷۱۱۹،۷۱۲۰.۷۱۲۱،۷۱۲۲،] ابن حبان [۴۱۳]

(۲) حضرت علی بن ابی طالب: مسند احمد [۱۲۱۰]

(۳) حضرت ابی بن کعب: مسند احمد [۲۱۲۰۶،۲۱۲۰۷،] نسائی الکبری [۷۱۱۲] ابن حبان [۴۴۲۹]

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ: مسند احمد [۲۶۳۱۶،] ابن ماجہ [۱۹۴۴] مسند البزار [۱۸/۲۵۷، مسند عائشۃ ۲۹۹] مسند ابی یعلی [۴۵۸۸] المعجم الاوسط [۷۸۰۵] معرفۃ السنن والآثار [۱۵۴۶۸]

(۵) خالہ امامہ بن سہل بن حنیف: الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم [۳۳۴۴] نسائی الکبری [۷۱۰۸،۷۱۰۹،] المعجم الکبیر [۱۸۵/۲۵،رقم ۴۵۵] المستدرک [۸۰۷۰]

(۶) حضرت زید بن ثابت: نسائی الکبری [۷۱۱۰] السنن الکبری للبیہقی [۳۶۷/۸،رقم ۱۶۹۱۳]

یہ حدیث اس لحاظ سے احادیث متواترہ میں سے لگتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بڑے

مجمع کے سامنے اِس کا ذکر کیا اور کسی نے اِس کا انکار نہیں کیا،لیکن با قاعدہ حدیث کے متن وسند کے لحاظ سے احادیث مشہورہ میں سے معلوم ہوتی ہے،اِس حدیث سے متعلق بعض اوہام واشکالات پیدا ہوتے ہیں،اس بارے میں کئی باتیں پیش نظر رہیں۔

اس بارے میں اہل علم کے دو قول ہیں کہ آیتِ رجم واقعی نبی کریم ﷺ پر قرآن مجید کا حصہ ہونے کے لحاظ سے اتری ہے یا آیتِ رجم دراصل تورات کی آیت ہے؟

کئی اہل علم فرماتے ہیں کہ آیتِ رجم قرآن مجید کا حصہ بن کر اتری تھی،ہاں پھر اُس کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔

قال احمد......وقد كانت آية الرجم معلومة عندالصحابة وعلموا انسخ تلاوتهاواثباتهافي المصحف دون حكمها،وذالك حين راجع النبيﷺعمرُفي كتبهافلم يأذن له فيها(معرفة السنن والآثار للبيهقي:۱۱/۲۶۱) امام احمد فرماتے ہیں:آیتِ رجم صحابہ کرام کے ہاں معلوم تھی،اوراُن حضرات کو اِس کی تلاوت اور قرآن مجید میں باقی رکھنے (کے حکم) کا منسوخ ہونا اور اِس کا حکم منسوخ نہ ہونا معلوم تھا،اِس کا علم اُنہیں اُس وقت ہوا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِس کے لکھنے کے متعلق نبی کریم ﷺ سے رجوع کیا اور نبی کریم ﷺ نے اُنہیں اِس کی کتابت کی اجازت نہیں دی۔

امام محمد بن الطیب بن محمد بن جعفر قاضی ابوبکر باقلانی مالکی (م۴۰۳ھ) فرماتے ہیں:**وقد بينا ان آية الرجم منسوخة التلاوة وان كانت باقية الحكم (الانتصار للقرآن ۱/۳۹۸)** ہم بیان کر چکے ہیں کہ آیت رجم کی تلاوت منسوخ ہے،اگر چہ اُس کا حکم باقی ہے۔

امام احمد بن الحسین بیہقی (م۴۵۸ھ) فرماتے ہیں: **في هٰذا وما قبله دلالة على ان آية الرجم حكمها ثابت وتلاوتها منسوخة،وهٰذا مما لااعلم فيه خلافاً (السنن الكبرى ۸/۳۶۷)** اِن سب روایات میں دلیل ہے کہ آیت رجم کا حکم ثابت ہے،اوراُس کی تلاوت منسوخ ہے،اور اِس بارے میں مجھے کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہے۔

یہ عبارات بتاتی ہیں کہ آیتِ رجم آیتِ قرآنی تھی،واقعی اُس کا نزول ہوا تھا جیسا کہ روایات سے ظاہر ہے،لیکن اُس کا حکم باقی رہا اور تلاوت منسوخ ہوگئی ہے۔

اور اہل علم کی ایک رائے یہ ہے کہ آیتِ رجم کے جو الفاظ ذکر کئے جاتے ہیں یہ نازل ہونے والی آیتِ رجم کا ترجمہ تو ہیں،مگر بعینہٖ یہی الفاظ قرآنی وحی کے طور پر اترنے والی آیتِ رجم کے نہیں ہیں۔

قال ابوبکر الانباری اللفظ المذکور فی آیة الرجم ترجمة التنزیل لاعین التنزیل لانّ عین التنزیل معجز وهٰذا غیر معجز (**درج الدرر فی تفسیر الآی والسُّوَر**: ۴۴۹/۲، **للعلامة ابی بکر عبدالقاهر الجرجانی م ۴۷۱**) امام ابوبکر ابن الانباری فرماتے ہیں کہ آیت رجم میں مذکور الفاظ نازل ہونے والی آیت کا ترجمہ ہیں، عینِ وہی آیت نہیں ہے، کیوں کہ قرآن اعجاز والا ہے، اور مذکورہ آیت رجم میں اعجاز نہیں ہے۔

دور جدید کے محقق عظیم حضرت علامہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جو اپنی تحقیق تحریر فرمائی ہے، اُس کا حاصل اس طرح ہے:

''اس بارے میں جتنی روایات آئی ہیں اُن کی تحقیق کے بعد یہ ظاہر ہوا ہے کہ آیتِ رجم کبھی بھی قرآن مجید میں سے نہیں تھی، وہ تو تورات وغیرہ بنی اسرائیل کی کسی کتاب کی آیت تھی، مگر چوں کہ اللہ تعالی نے اُس کا حکم اِس امت کے لیے برقرار رکھا تو مجازاً اس پر نزول کا اطلاق کیا گیا، حالانکہ مراد یہ تھی کہ اس کا حکم باقی ہونے کا حکم نازل ہو گیا ہے۔

رہی یہ بات کہ اس کے تورات کی آیت ہونے کی دلیل کیا ہے؟ تو اس کی دلیل سورہ مائدہ کی آیت ہے "**وکیف یحکمونک وعندهم التوراة فیها حکم الله**" اِس کے شان نزول کے واقعہ میں ہے کہ یہود کے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن صوریا نے تورات میں آیتِ رجم "**الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة**" موجود ہونے کا اقرار کیا ہے۔

رہی یہ بات کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ قرآن کی آیت نہیں تھی؟ اس کی کئی دلیلیں ہیں، مثلاً:

(۱) حضرت امامہ بن سہل کی خالہ عجماء رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے **قالت سمعتُ رسولَ الله ﷺ یقول الشیخ والشیخة الخ** (**طبرانی**)

اس روایت میں حضرت عجماء نے اُس کو رسول کریم ﷺ کے فرمان کے طور پر نقل کیا ہے۔

(۲) ایک طویل روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے آیتِ رجم لکھنے (لکھوانے) کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ (سنن بیہقی کبری)

(۳) مستدرک حاکم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی میں حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کیا میں لکھ لوں؟ آپ ﷺ کا انداز بتاتا تھا کہ آپ ﷺ نے اِس کو ناپسند فرمایا۔

یہ دونوں روایتیں دلیل ہیں کہ آپ ﷺ نے قرآن مجید کے حصہ کے طور پر اِس کو لکھنے کی اجازت

نہیں دی، نہ ہی مصاحف میں اِس کو لکھا گیا۔

بعض صحابہ نے اِس کو لکھنے کا جو ارادہ کیا تو وہ قرآن کے طور پر نہیں بلکہ سورہ نور کی آیت کی تفسیر کے طور پر لکھنا چاہا، جس کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا، تا کہ قرآن اور غیر قرآن خلط ملط نہ ہو۔

باقی اِس حکم میں جو **شیخ** اور **شیخہ** کے لفظ آئے ہیں حضرت زید بن ثابت اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے اس کی یہ وضاحت کی ہے کہ رجم کے حکم کا مدار بوڑھے ہونے پر نہیں بلکہ شادی شدہ ہونے پر ہے چاہے جوان ہو، (**شیخ اور شیخہ** سے مراد شادی شدہ مرد و عورت ہے)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لکھنا چاہتے تھے تو وہ بھی قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا جیسا کہ مسند احمد (۲۳/۱) میں ہے، اور یہ بات تو ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مصاحف کے حواشی میں قرآن مجید کی تفسیری عبارات لکھا کرتے تھے، لیکن پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لئے نہ لکھا تا کہ اس کا قرآن مجید سے التباس نہ ہو جائے، یا تا کہ اُن پر قرآن مجید میں زیادتی کرنے کا الزام نہ لگے، ورنہ وہ اِس کو قرآن مجید کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔ (تکملہ فتح الملہم المجلد الثانی صفحہ ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷)

مزید فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت "**اویجعل اللہ لهنّ سبیلاً**" میں جس سبیل کا ذکر آیا، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث نے اُس کی تفسیر کر دی کہ اُس سے مراد ثیب (شادی شدہ) کے لئے رجم اور بکر (غیر شادی شدہ) کے لئے کوڑے ہیں (۴۱۸/۲)، جس سے ثابت ہوا کہ رجم کا ذکر قرآن مجید میں اشارۃً ہے اگر چہ صراحۃً نہیں ہے، اور قرآن مجید میں سورہ نور میں جو کوڑوں کا حکم آیا ہے (وہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کے لئے ہے، اس لئے) رجم کے حکم نے آ کر اُس کو منسوخ نہیں کیا (نہ تخصیص کی ہے) بلکہ شادی شدہ زانی ہو تو یہ رجم کوڑوں کی سزا پر زیادتی ہے، اس لئے شادی شدہ زانی کے لئے دو سزائیں ہیں کوڑے بھی اور رجم بھی، مگر بڑی سزا میں چھوٹی سزا مدغم ہو جاتی ہے اس لئے شادی شدہ کے لئے دو سزاؤں میں سے بڑی سزا رجم کافی سمجھی جاتی ہے، یہی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ (۴۱۹/۲)

بندہ عرض کرتا ہے کہ امید ہے کہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی اِس تحقیق سے بہت سے عقدے حل ہو گئے ہوں گے، مثلاً:

۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو زنا کے نتیجہ میں خمیس کے دن کوڑے مارے اور جمعہ کے دن سنگ سار کیا، تو فرمایا: **جلدتها بكتاب الله و رجمتها بسنّة رسولِ الله** ﷺ (**مسند ابن الجعد حدیث ثلاثی رقم ۴۹۰، سندہ قوی**) میں نے اِس کو کتابُ

اللہ کے حکم سے کوڑے مارے اور سنّتِ رسول اللہ ﷺ کے سبب رجم کیا۔

اس روایت سے (۱) ثابت ہوا کہ قرآن مجید میں صراحۃً کوڑوں کی سزا ہے، (۲) زائد سزا یعنی سنگ سار کی سزا سنّت سے ثابت ہے، (۳) رجم کی سزا وحی متلو سے ثابت نہیں ہے، جس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ آیتِ رجم قرآن مجید کا حصہ کبھی نہیں تھی، (۴) حاکم چاہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے میں اول چھوٹی اور پھر بھاری دونوں سزاء جاری کرتے ہوئے اِن کو جمع کرسکتا ہے، مگر نبی کریم ﷺ اور خلفاء ثلاثہ راشدین رضی اللہ عنہم نے جمع نہیں کیا، اس لئے صرف ایک پر یعنی رجم پر عمل ہوگا۔

۲) بہت سی صحیح سندوں کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل ہے: **رجم رسول اللہ ﷺ ورجم ابوبکرورجمتُ** (**سنن الترمذی ۱۴۳۱**) رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رجم کیا ہے، اور میں نے بھی رجم کیا۔

ایسی روایات ظاہر کرتی ہیں کہ حاکم دو کے بجائے ایک بھاری سزا یعنی رجم پر اکتفاء کرے، یہی کافی ہے، ایک سزا رجم پر اکتفاء ہی اصل سنت ہے، حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے شادی شدہ کو رجم کی سزا دی ہے۔

عن انس رجم رسول اللہ ﷺ وابوبکروعمروامرھماسنّۃ (مسندابی یعلی ۴۲۱۴، ۴۲۱۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے بھی رجم کیا ہے، اور اِن دونوں کا کام سنّت ہے۔

معلوم ہوا کہ رجم سنّت سے ثابت ہے، اور یہ سنّت حد ہے۔

امام ابوجعفر احمد بن سلامہ طحاوی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ اِس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتادیا کہ رجم قرآن نہیں ہے، سنت (سے ثابت) ہے (شرح مشکل الاثار ۵/۳۰۷)

بہر حال آیتِ رجم کے عنوان سے مروی یہ سب روایات ثابت کرتی ہیں کہ شادی شدہ زانی کی حد سنگ سار ہے، اور اس کا حکم یہود کو تھا، نبی کریم ﷺ کی شریعت میں بھی اِس کو برقرار رکھا گیا ہے۔

اِن روایات سے متعلق خدشات:

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

”دوسری (اس) روایت کو دیکھیئے تو اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی بحث ہی سرے سے ختم ہوگئی ہے، اس کے بالکل برخلاف جو بات اس میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ سنگ ساری کی سزا درحقیقت بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کے لئے ہے، یہ کسی اور کو دی جائے یا نہ دی جائے ان بے چاروں

پرتواسے بہرحال نافذ ہونا چاہیئے ،لیکن یہی روایت جب بخاری میں بیان ہوئی تواس میں اس سزا کے لئے پھرشادی کا ذکرہوا ہے۔'' [برہان:٦٠]

جواب: قال یحیی سمعت مالکاً یقول قوله الشیخ والشیخة یعنی الثیب والثیبة فارجموهما(مؤطاامام مالک ۲/۸۲۴)قال مالک یریدعمربن الخطاب بالشیخ والشیخة الثیب من الرجال والثیبة من النساء (السنن الکبری للبیهقی ۸/۲۱۳) مؤطا کے راوی امام یحیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے سنا انہوں نے حدیث میں مذکور **الشیخ والشیخة** کا مطلب بیان کیا کہ مراد ''**ثیب اور ثیبة** ''شادی شدہ مرد اورعورت ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**والاظهر تفسیرهمابالمحصن والمحصنة (شرح ابن ماجه ۱/۱۸۴)** اظہر یہ ہے کہ آیتِ رجم میں شیخ وشیخہ سے مراد محصن (شادی شدہ مرد)اور محصنہ(شادی شدہ عورت) ہے۔

علامہ ظفراحمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**المرادبالشیخ هو الثیب (اعلاء السنن ۹/۴۴۰)شیخ** سے مراد شادی شدہ ہے۔

شیخ کا اطلاق جوان پرہوتا ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے''**اقتلوا شیوخ المشرکین**'' مشرکین کے **شیوخ** کوقتل کردو،اِس میں **شیوخ شیخ** کی جمع ہے،اور**شیخ** سے مراد طاقتور جوان ہیں۔ **(فیض القدیر ۲/۶۰)**

قال ابوعبیدارادبالشیوخ الرجال والشبان اهل الجلدمنهم والقوة علی القتال ولم یردالهرمی (شرح المشکاة للطیبی ۸/۲۷۰۵) امام ابوعبید فرماتے ہیں حدیث میں **شیوخ** سے مراد مرد اور جوان ہیں جوقتال پرقوت ومضبوطی رکھتے ہوں، بوڑھے مراد نہیں ہیں۔

آج کل عرب میں یہ استعمال عام ہے کہ عالمِ دین کو**شیخ** کہتے ہیں چاہے وہ جوان ہو،اس لئے لفظ''**شیخ وشیخة**'' کے سبب حدیث کا مذاق درست نہیں ہے۔

جناب امین احسن اصلاحی صاحب کی جرأت:

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:''اس روایت کونہایت کراہت کے ساتھ (میں نے)محض اس لئے نقل کیا ہے کہ اصل حقیقت تک پہنچنے کے لئے راہ کی اُن الجھنوں کوصاف کرنا ضروری ہے جوزنادقہ کی پھیلائی ہوئی ہیں،اورہمارے مفسرین اورفقہاء کی سادگی کی وجہ سے تفسیراورفقہ کی کتابوں میں بھی اُن کوجگہ مل گئی ہے، اس روایت پرغور کیجیے ،توہرپہلو سے یہ کسی منافق کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے،اورمقصوداس کے گھڑنے

سے قرآن کی محفوظیت کو مشتبہ ٹھہرانا اور اور سادہ لوحوں کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا کرنا ہے کہ قرآن کی بعض آیات قرآن سے نکال دی گئی ہیں۔(تدبر قرآن: ۳۶۶/۵، ۳۶۷)

جواب: اس عبارت میں اصلاحی صاحب کے خصوصاً دو ملفوظ قابلِ توجہ ہیں:

اول: یہ کہ **الشیخ والشیخة اذازنیافارجموهماالخ** زندیقوں، منافقوں کی گھڑی ہوئی ہے۔

جناب! آپ سے پہلے تیرہ صدیاں گذریں، اِن تیرہ صدیوں میں کسی بھی محقق، مفسر محدث متکلم فقیہ نے نہیں سمجھا کہ یہ کسی منافق نے گھڑی ہے، گھڑی ہوئی ہونا تو دور کی بات ہے، کسی نے اتنا تک نہ کہہ دیا کہ ضعیف ہے، آج آپ کو کیسے علم آیا کہ یہ منافقوں اور زندیقوں کی گھڑی ہوئی ہے؟

نیز اِس روایت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں (حضرت عبداللہ بن عباس، سعید بن مسیّب،) میں سے کون منافق یا زندیق ہے؟ اُن سے روایت کرنے والوں (عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، یحیی بن سعید، داؤد بن ابی ہند،) میں منافق یا زندیق کی نشان دہی فرمائیں؟ پھر اُن سے روایت کرنے والوں (ابن شہاب زہری، یزید بن ہارون،) میں منافق، زندیق کی نشان دہی فرمائیں؟ پھر اُن سے روایت کرنے والوں (یونس بن زید، سفیان بن عیینہ، معمر، صالح، مالک بن انس، علی بن ابراہیم واسطی، ہشیم) میں کون منافق یا زندیق ہے؟ پھر اُن سے روایت کرنے والوں (ابن وہب، محمد بن ادریس شافعی، ابوجعفر الرزاز، عبداللہ بن محمد نفیلی، عبدالرزاق، محمد بن الصباح،) میں کون ہے؟ اور ان سے روایت کرنے والوں (ابوداؤد، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوالطاہر، حرملہ بن یحیی، سلمہ بن شبیب، اسحاق بن منصور، حسن بن علی الخلال) میں کون ہے؟ **وھٰکذا**... پھر اِن نقل کرنے والے محدثین میں سے جو منافقین اور زنادقہ ہیں اُن کی نشان دہی ضرور کیجیے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے معلوم ہونے والے یہ راوی ہیں، حضرت زید بن ثابت، ابی بن کعب، عجماء وغیرہم رضی اللہ عنہم کے راوی اِن پر مزید ہیں، اِن راویوں میں سے کس کو منافق یا زندیق کہیں گے؟ تو یہ اصلاحی صاحب کی اپنی عقل کا فیصلہ ہے۔

عجیب بات ہے کہ غامدی صاحب کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی کو کافر کہے، جب کہ غامدی صاحب کے استاد نام لئے بغیر اِن سب راویوں کو یا اِن میں سے نامعلوم راویوں کو منافق اور زندیق کہے جا رہے ہیں، اِن پر اتمام حجت کب ہوا؟ اور اصلاحی صاحب کو یہ منصب کہاں سے ملا ہے؟

دوم: دوسرا ملفوظ یہ فرمایا کہ ہمارے فقہاء اور مفسرین سادے لوگ تھے، اُن بیچاروں کو منافقین اور

زندیقوں کی پہچان بالکل نہیں تھی، نہ اُن کی زندیقیت سمجھتے تھے، نہ اُن کی چال اُنہیں سمجھ آئی، سبحان اللہ! اگر ہمارے اسلاف کی سادگی کا یہ حال تھا تو پھر سارا دین ہی اِن سادہ مزاج لوگوں سے ملا ہے، تو پھر قرآن مجید میں کہاں کہاں منافقوں اور زندیقوں کی چالیں نہ چلی ہوں گی؟ نبی کریم ﷺ کے ذخیرہ ہائے احادیث وسنن میں کہاں کہاں اُن کے مکائد کارگر نہ ہوئے ہوں گے؟ لیجیئے سارا دین ہی ہمیں سادہ لوگوں سے ملا ہے، مسلمانوں کے پاس حقیقی، یقینی کوئی ایک چیز بھی نہیں رہی، اب مسلمانوں کو اپنے فرسودہ دین سے دست بردار ہو جانا چاہیے، اور غیر مسلموں کو اسلام کی تبلیغ و دعوت دینا چھوڑ دیں، **سبحان اللہ**

سوم: اصلاحی صاحب نے فرمایا کہ یہ روایت قرآن مجید کی حفاظت مشتبہ بناتی ہے، اور سادہ لوحوں کے وساوس کا سبب ہے۔

جناب! اس کی وجہ سے حضور ﷺ کی صحیح احادیث کا انکار کر دینا حل سے عجز کی دلیل ہے، اور یہ میدانِ علم وایمان کے بہادروں کی شان کے مناسب نہیں ہے، اسی وجہ سے تو منکرینِ حدیث نے انبیاء کرام علیہم السلام کے خوارقِ عادت معجزات کا انکار کر دیا، نبی کریم ﷺ کے سفرِ معراج کے منکر ہو گئے محض اس لئے کہ جی یوں کیسے ہو سکتا ہے؟ اور یوں کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کے لئے اصلاحی صاحب کو بھی اہل علم سے رجوع کرنا چاہیے تھا، نہ کہ وساوس وشبہات کے آگے ہتھیار ڈالنا مناسب تھا، پھر سوچنے کی بات ہے کہ جن فقہاء اور محدثین نے یہ احادیث درج کیں، اور وہ بقول اصلاحی صاحب سادے بھی تھے، اُن سادوں کو یہ وساوس پیش نہیں آئے، اور قرآن مجید کی محفوظیت سے متعلق اُن کا ایمان ذرا بھی متزلزل نہیں ہوا، آپ کو بعد کے سادہ مسلمانوں سے متعلق کیوں یہ فکر لاحق ہوئی؟ اور اِن وسوسوں کا کوئی علاج سوائے انکار کے کیوں نہ سوجھا؟

غامدی صاحب کو بھی خیر خواہانہ درخواست ہے کہ جناب کو اِن وساوس سے توجہ ہٹا لینی چاہیے، احادیثِ صحیحہ مشہورہ سے ثابت مضمون کے انکار سے فسق اور احادیث متواترہ سے ثابت مضمون کے انکار سے کفر لازم آتا ہے، محض وساوس سے ڈر کر فسق وکفر میں پڑنا کوئی دانشمندی نہیں ہے، یہ تو بارش سے بھاگ کر میزاب تلے آ کھڑا ہونا ہے، ایسی حرکت نہ کیجیے، اہل دانش ایسا نہیں کیا کرتے۔

مزید اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: ’’سب سے پہلے اس (آیت) کی زبان پر غور کیجیے، کیا کوئی سلیم المزاج آدمی اس کو قرآن کی ایک آیت قرار دے سکتا ہے؟ اس کو تو قولِ رسول قرار دینا بھی کسی خوش ذوق آدمی کے لئے ناممکن ہے، چہ جائیکہ قرآن حکیم کی ایک آیت، آخر قرآن کے مخمل میں اس ٹاٹ کا پیوند آپ کہاں لگائیں گے؟ قرآن کی لاہوتی زبان اور افصح العرب والعجم کے کلام کے ساتھ، اس عبارت کا کیا جوڑ

ہے؟‘‘[تدبرقرآن:۵/۳۶۷]

اول:اوپر ذکر ہوگیا کہ یہ دراصل تورات کی آیت تھی،اور ظاہر ہے کہ تورات میں بھی یقیناً فصاحت تھی،مگر تحریف ہوجانے اور روایت بالمعنی ہونے کے سبب رجم کے حکم کی اِس عبارت میں کما حقہ فصاحت نہیں رہی ہے۔

ثانی:بعض محدثین کہتے ہیں کہ اِس روایت کے اندر اتنا تو صحیح ہے کہ محصن اور محصنہ کے رجم کا حکم ہے،رہا رجم کے حکم کے لئے آیت کا لفظ اور رجم کی آیت کے الفاظ تو وہ راوی سے غلطی ہوئی ہے،مگر اُس کا معنی یہ نہیں کہ شادی شدہ کے رجم کا حکم بھی غلط طور پر مروی ہے۔

(لکن زیادۃ عبارۃ الآیۃ فی روایۃ ابن عباس غیر محفوظۃ،قال الحافظ ابن حجر لااعلم احداذکر فی ھٰذاالحدیث الشیخ والشیخۃ غیر سفیان وینبغی ان یکون وھم فی ذالک،وقداخرج الائمۃ ھٰذاالحدیث من روایۃ مالک ویونس ومعمروصالح بن کیسان وعقیل وغیرھم من الحفاظ عن الزھری فلم یذکروھا.

(تکملۃ فتح الملھم: ۲/۴۱۴،فتح الباری:۱۲/۱۴۳)

مزید اصلاحی صاحب کہتے ہیں:

’’دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ قرآن کی ایک آیت تھی تو اس کا نکال کس نے دیا؟جب کہ اس کا حکم یعنی سزائے رجم باقی ہے؟آیت کو نکال دینے اور حکم کو باقی رکھنے کا آخر کیا تُک ہے؟اگر یہ قرآن کی ایک آیت تھی اور نکال دی گئی تو یہ اس کا ثبوت ہوا کہ رجم کا حکم پہلے تھا پھر منسوخ ہوگیا،پھر اس سے رجم کے حق میں استدلال کے کیا معنی؟(۵/۳۶۷)

اوپر کی عبارت میں جواب ہوگیا کہ قرآن مجید میں لکھی ہی نہیں گئی،داخل ہی نہیں کی گئی کہ پھر خارج کی گئی ہو اور یہ سوالات پیدا ہوں؟

کہتے ہیں:’’تیسری بات یہ ہے کہ اس کو اگر صحیح باور کر لیجیے جب بھی اس سے ہمارے فقہاء کا مقصد پورا نہیں ہوتا،اُن کو ثبوت چاہیے شادی شدہ زانی کے رجم کا اور اس میں حکم بیان ہوا ہے بوڑھی زانیہ اور بوڑھے زانی کا،ہر شادی شدہ کا بوڑھا ہونا تو ضروری نہیں ہے،پھر دعوی اور دلیل میں مطابقت کہاں رہی؟‘‘
(۵/۳۶۷)

جی جناب!ہر شادی شدہ کا بوڑھا ہونا تو ضروری نہیں مگر ہر بوڑھے کا شادی شدہ ہونا عام دستور کے مطابق ضروری ہے،اس لئے مراد شادی شدہ مرد وعورت ہیں،نہ کہ صرف بوڑھے مرد وعورت،اوپر ذکر

ہوگیا کہ شیخ کا اطلاق جوان پر بھی ہوتا ہے،اس لئے فقہاء کا استدلال درست ہے،اور دعوی اور دلیل میں یقیناً مطابقت ہے،آپ لوگوں کو نہ سمجھ آئے تو فقہاء بیچاروں کا کیا قصور؟

کہتے ہیں:''بہرحال یہ روایت بالکل بیہودہ روایت ہے،اور ستم یہ ہے کہ اس کو منسوب حضرت عمر کی طرف کیا گیا ہے،حالاں کہ اُن کے عہد مبارک میں اگر کوئی یہ روایت کرنے کی جرأت کرتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ اُن کے دُرے سے نہ بچ سکتا۔'' [۳۶۷/۵]

نہیں جناب! روایت بالکل صحیح ہے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف حکمِ رجم کے درجے تک اِس کی نسبت بالکل صحیح ہے،حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اُن کے دور کے ہیں، اور اُن سے سننے والے عبید اللہ بن عتبہ وغیرہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وسعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی اِس کو بیان کیا ہے،اور اُنہیں کوئی دُرے نہیں لگے،آپ کا وِجدان بالکل غلط ہے،آپ کے اِس یقین پر اِس درجہ کی کوئی ضعیف سی نقلی دلیل بھی نہیں ہے جو دلیل یقین کے لئے چاہیے۔

کہتے ہیں:''ہمارے فقہاء میں یہ بڑی کمزوری ہے کہ جب وہ اپنے حریف سے مناظرہ پر آتے ہیں تو جو اینٹ پتھر اُنہیں ہاتھ آجائے وہ اُس کے سر پر دے مارتے ہیں، پھر یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی زد خود دین پر کہاں تک پڑتی ہے۔'' (۳۶۷/۵)

سبحان اللہ! استاد فقہاء پر بد اعتماد ہو تو شاگرد کو بھی وہی بد اعتمادی سپلائی کرے گا،اس لئے غامدی صاحب بھی فقہاء کے متعلق استاد کی بولی بولتے ہیں،اِس پر سوائے اِس کے کیا کہا جائے **كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ** ، امام ترمذی رحمہ اللہ بڑے بھولے آدمی تھے جنہوں نے بے تحقیق خوش فہمی میں یہ کہہ ڈالا۔

وکذالک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث (تحت رقم الحدیث ۹۹۰)

فقہاء نے یونہی کہا ہے،اور وہ حضرات حدیث کے معانی سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

ہماری سمجھ کے مطابق امید ہے کہ ان احادیث پر سب شبہات ختم ہوگئے ہوں گے،اس لئے آگے چلتے ہیں۔

رجم کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی فعلی احادیث:

اس بارے میں بھی بہت سی احادیث ہیں،بعض وہ ہیں جن میں اتنا ذکر ہے کہ رسول کریم ﷺ نے رجم کیا ہے،مگر چوں کہ ہمارے مخاطب رجم کی سزا کے مطلقاً انکاری نہیں ہیں، بلکہ اُن کے انکار کا تعلق ہر شادی

شدہ کے رجم سے ہے،اس لئے ایسی روایات پیش کرنے کی ضرورت ہے،جن میں شادی شدہ کے رجم کا ذکر ہو۔

حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے،جس کو روایت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم اٹھارہ بتائے گئے ہیں (نظم المتناثر) اُن کے واقعہ میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کیا، آپ ﷺ نے اُس کے متعلق پوچھا کہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ؟ جب اُس کا ثیب یعنی شادی شدہ ہونا معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے اُس کے رجم (سنگ سار) کرنے کا حکم فرمایا،اور وہ سنگ سار کر دیا گیا۔

فقال رسولُ الله ﷺ ابِكرٌام ثيّب ؟ فقالوا بل ثيّب يارسولَ الله (مؤطاامام مالك ۸۲۰/۲،مؤطاامام محمد ۰۷۷،مصنف ابن ابی شیبه ۲۸۷۷۸،المعجم الكبير ۲۰۱/۲۲،رقم ۵۳۰)فقال النبی ﷺ اثيب انت ؟قال نعم (السنن الكبرى للبيهقی ۱۳۷/۶ ،۵۸۹/۷، ۳۷۲/۸)وكان قداحصن (مصنف عبدالرزاق ۱۳۳۳۶ ،صحيح البخاری ۶۸۱۴ ،ابن حبان ۴۴۴۰) قال احصنتَ ؟قال نعم (مسنداحمد ۱۴۴۶۲ ،صحيح البخاری ۶۸۲۰ ،ابوداؤد ۴۴۳۰،۴۴۳۵،ترمذی ۱۴۲۹ ،نسائی ۱۹۵۶ ،ابن حبان ۳۰۹۴،،)

اصلاحی صاحب اور غامدی کا خیال یہ ہے کہ ماعز عادی مجرم تھا،تو اُس کو رجم کی سزا عادی مجرم ہونے،اور بدمعاش،اوباش غیر صالح قسم کا بندہ ہونے کے سبب دی گئی ہے،نہ کہ محض شادی شدہ ہونا اِس کا سبب ہے،مگر نبی کریم ﷺ کا خود اُس سے سوال کرنا،یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کرنا کہ ماعز کنوارہ ہے یا شادی شدہ ہے؟ یہ تحقیق ہی بتاتی ہے کہ رجم کی سزا کا سبب اُس کا شادی شدہ ہونا ہے۔

رہا یہ کہ ماعز کس کردار کا آدمی تھا؟ ہم اِس بارے میں بحث کو چھوڑتے ہیں بس وہی کہہ سکتے ہیں جو حضور ﷺ کے الفاظ کا مضمون ہے: **قُوموا فانزلوا فكلوا من جيفة هٰذاالحمار،فمانلتم من اخيكم آنفا شر من هٰذا**. اے یہ لکھنے اور بیان کرنے والو! اٹھو اور اتر کر مرا ہوا گدھا کھالو، کیوں کہ تم نے جو ابھی اپنے بھائی (حضرت ماعز رضی اللہ عنہ) کی آبرو ریزی کی ہے وہ مرا پڑا گدھا کھانے سے بھی بری ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے کردار کو داغدار بتانے کے لئے غامدی نے ایک تو طبقات ابن سعد کی روایت بیان کی ہے،حاصل یہ ہے کہ ماعز مہیرہ نامی ایک عورت کو گناہ کے لئے تلاش کرتا رہتا تھا، بالآخر ایک دن ہتھے چڑھ گئی،اور ماعز نے اُس سے گناہ کیا،اور پھر اُس کو سزا ہوئی۔

یہ روایت بیان کرنے والے پہلے راوی امام ابن سعد کے استاد محمد بن عمر واقدی ہیں،اُس پر محدثین نے کافی کلام کیا ہے،بہرحال ایسا راوی ہے جس کی روایت صحابی کی قدح میں قبول نہیں کی جاسکتی،اورواقدی روایت کرتے ہیں ہشام بن عاصم سے اوروہ مجہول ہیں،اسماء الرجال کی کتابوں میں اُس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا،تو ایسی روایت سے صحابی کا کردار خراب دکھانے کے لئے دلیل پکڑنا اپنے ایمان کو خراب کرنا ہے۔

غامدی صاحب نے مسلم وغیرہ کی ایک حدیث سے بھی حضرت ماعز کے کردار خراب ہونے پر دلیل لی ہے،حضرت ماعز کو سنگسار کرنے کے کچھ بعد نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا: **او کلما انطلقنا غزاة فی سبیل اللہ تخلف رجل فی عیالنا له نبیب کنبیب التیس علی ان لااوتی برجل فعل ذالک الا نکلت به** . کیا یہی نہیں ہوا کہ جب کبھی ہم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے تو ہمارے اہل وعیال میں سے ایک شخص پیچھے رہ گیا جو شہوت کے جوش میں بکرے کی طرح بلبلاتا تھا،سنو مجھ پر لازم ہے کہ اس طرح کا کوئی مجرم اگر میرے پاس لایا جائے تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں (برہان:۸۱)

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم جواب میں فرماتے ہیں:

والحق انه لیس فی هٰذه الخطبة مایدل علی ان ماعزاً کان یرتکب مثل هٰذاالفعل، وانما ذکره النبی ﷺ بعد رجم ماعز لیعتبر هٰؤلاء المفسدین بعقوبة ماعز،ویتنبهوا بانه یمکن معاقبتهم ایضاً بمثل هٰذه العقوبة ،واماماعز فسیأتی عندالمصنف ان اهل قبلته شهدوا له بقولهم مانعلمه الاوفِیُّ العقل من صالحینا،ولقد شهد له النبی ﷺ بقوله انه الآن لفی انهار الجنة ینغمس فیها،واماصدور الاثم فکان اتفاقیاً،ولم یکن متعوداذالک کمایدل علیه اعترافه وندمه (تکملة فتح الملهم ۲/۴۴۳)

حق یہ ہے کہ اس خطبہ میں ایسی کوئی بات نہیں جو اِس پر دلیل ہو کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ ایسی حرکت (عادۃً) کرتے رہتے تھے،یہ تو نبی کریم ﷺ نے ماعز کے رجم کے بعد اس لئے ذکر کیا تا کہ ماعز کی سزا سے فسادی (منافقین) لوگ عبرت پکڑیں،اور آگاہ ہوں کہ اُن کی بھی ایسی سزا ہوسکتی ہے،رہی ماعز کی ذات ! تو آگے مسلم شریف میں آرہا ہے کہ اُس کے قبیلہ والوں نے گواہی دی کہ ہمارے علم میں ماعز کامل العقل ہمارے نیک آدمیوں میں سے ہے (اور جو عادی ہو وہ تو فاسق ہے نہ کہ صالح) اور نبی کریم ﷺ نے بھی گواہی دی کہ ماعز ابھی جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے،باقی جو اُس سے گناہ ہوا تو وہ اتفاقی ہوا،نہ یہ کہ اُن کی عادت تھی،جس کی دلیل اُن کا اعتراف کرنا اور نادم ہونا ہے۔

اس سے اصلاحی کے گندے تجزیہ کا جواب بھی سمجھ آ گیا کہ لکھتا ہے: ''دوسرے یہ کہ اُس کا کردار ایک نہایت بدخصلت گنڈے کا کردار تھا، نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کسی غزوہ کے لئے نکلتے، تو مردوں کی عدمِ موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ جنس زدہ بدمعاشوں کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا۔''

تیسرے یہ کہ نبی ﷺ نے اُس کی مغفرت کے لئے دعا کی نہ اُس کا جنازہ پڑھا، جو اس بات کی شہادت ہے کہ اس کو کٹر منافق قرار دیا گیا۔'' (تدبر قرآن ۵/۳۶۷)

اصلاحی کی یہ باتیں بالکل جھوٹ ہیں، حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی ایسی عادت نہیں تھی، اتفاقیہ گناہ ہو گیا، جیسا کہ اُس کی قوم نے گواہی دی کہ یہ صالح آدمی تھا، یعنی فاسق نہیں تھا (مسلم ۲۳ (۱۶۹۵) اور اُس کے لئے حضور ﷺ نے بھی خیر کے کلمات بولے **فقال له رسول الله ﷺ خيراً** تو حضور ﷺ کی گواہی بھی اُس کے حق میں خیر کی ہوئی (مسند احمد ۱۴۴۶۲،) کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم تو نہیں ہیں، محفوظ ہیں، محفوظ وہ ہوتا ہے جس کی گناہوں کی عادت نہیں ہوتی، کبھی گناہ ہو سکتا ہے، جس کے بعد توبہ کر کے صاف کر لیتا ہے، **والذين اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذكروا الله فاستغفروا الذنوبهم.**

اور کٹر منافق نبی کریم ﷺ نے یا صحابہ نے تو نہیں قرار دیا، اصلاحی صاحب نے اُس کو کٹر منافق قرار دے کر منافقانہ تبرا کر ڈالا ہے، جب منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے تو ماعز کو بھی جہنم میں جانا تھا، مگر نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے خوشخبری مل رہی ہے کہ وہ جنّت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے، اگر منافق تھا تو جس عبداللہ بن ابی کا جنازہ حضور ﷺ نے پڑھ دیا تھا، اپنا کرتہ کفن کے لئے اور لعاب مبارک تبرک کے لئے دیا تھا، وہ تو اِس سب کے باوجود جنّت نہ جا سکا، ماعز معاذ اللہ کٹر منافق ہو کر جنت کیسے پہنچ گیا؟ پھر منافق کا جنازہ پڑھنا ناجائز ہے نبی کریم ﷺ نے اُس کی قوم کو اُس کا نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا (الآثار لابی یوسف ۷۱۹) تو اِس کو اصلاحی صاحب کی بکواس کے سوا کیا نام دیا جائے؟

تیسری بات بھی خلاف حقیقت ہے، نبی کریم ﷺ نے گو کسی خاص مصلحت کے پیش نظر اُسی دن اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی لیکن دوسرے دن تو اُس کی نماز جنازہ پڑھی تھی (برہان: ۸۲، مصنف عبدالرزاق ۱۳۳۳۳،) ایک روایت میں اُسی دن نماز جنازہ پڑھنے کا بھی آیا ہے **''ثم رجمه وصلى عليه''** (مسند ابی عوانۃ ۶۲۹۳) پھر اُس کی قوم والوں کو تو نماز جنازہ کا حکم دیا تھا تو منافق کیسے ٹھہرا؟

بہر حال حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کا سبب اُس کا شادی شدہ ہو کر زنا کا ارتکاب کرنا ہے، اور بس۔ (جاری ہے۔)



مولانا خادم حسین بدر قسط: ۶ (آخری)

کتاب ''ذکر اللہ کے حلقے'' کا تحقیقی جائزہ

قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کی کل تین عدد عبارتیں آنجناب نے اپنے مدعا کے لیے مفید سمجھی ہیں میں ان کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلے آنجناب کی تحریر کردہ عبارت کہ: ''قطب عالم فقیہ النفس فرماتے ہیں: اشغال صوفیہ بطور معالجہ کے ہیں سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے جیسا اصل علاج ثابت مگر شربت بنفشہ حدیث صریح سے ثابت نہیں، ایسا ہی سب اذکار کی اصل ہیئت ثابت ہے۔ الخ [ذکر اللہ کے حلقے: ۴۱۲]

مخدوم محترم! آپ کا مدعی تو اور ہے اور قطب عالم محدث گنگوہیؒ کچھ اور فرمانا چاہ رہے ہیں۔

آپ تو اپنے مروجہ طرز کو احادیث اور صحابہؓ اور پوری امت سے مانتے ہیں، مگر حضرت تو اس کو یوں نہیں مانتے، بلکہ وہ تو عالم صوفیاء کے اشغال کی بات فرما رہے ہیں کہ وہ بھی صراحتاً ثابت نہیں، کما ثبت من العبارۃ۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ تو سنت سمجھنا بدعت قرار دے رہے جبکہ آپ سنت کیا لازم بھی سمجھتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان کے دور میں مروجہ مجالس کا ایسا التزام کہاں تھا کہ آپ ان کی بات میں اپنے مقصود کو داخل فرمانا چاہتے ہیں؟

ہمیں تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ آپ لوگ تو اسے دینی اور شرعی حکم ثابت فرماتے ہیں اور مستحب لکھ کر دلائل سے ثابت فرمانے کی سعی فرماتے ہیں اور اس کے تارکین کو قابل ملامت بھی جانتے ہیں مگر حضرت نے تو مطلقاً اس وقت کے صوفیاء کے اشغال کو بطور معالجہ کہا ہے۔

کہاں علاج معالجہ اور کہاں استحباب وسنت ولزوم دونوں میں تفاوت واضح ہے۔

آپ کے ایک ممدوح نے یہ بات فرمائی کہ نعت رسول مقبول ﷺ میں آواز ملانے کو رشید احمد گنگوہیؒ نے فتاوی رشیدیہ میں جائز قرار دیا ہے۔ [ذکر اللہ کے حلقے: ۴۰]

میں ان کی جانب سے پورا فتوی ہی حاضر خدمت کیے دیتا ہوں۔ کتاب الحظر والاباحہ میں فتوی درج ہے۔

سوال: باہم آواز ملا کر چند آدمیوں کا خدا کی یا حضرت ﷺ کی شان میں غزلیں پڑھنا درست ہے یا

منع ہے؟

جواب: اس طریق سے مناجات یا مدح پڑھنا بشرطیکہ کوئی فتنہ کا خوف، نہ قید کسی وقت خاص ہو، نہ مضمون خلاف شرع ہو، نہ کسی دوسرے کی نماز یا ذکر میں حرج ہوتا، نہ پڑھنے والے کی نماز قضاء ہو جانے یا جماعت رہ جانے کا خوف ہو الغرض تمام مفاسد شرعیہ سے خالی ہو تو مباح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ [فتاوی رشیدیہ: ۴۹۰]

آپ دیکھیے آپ کا مروجہ طرز اس سے کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

پس بات یہ ہے کہ چند لوگ مل کر حمد یا نعت پڑھ دیتے ہیں اور مفاسد سے خالی ہو تو اس میں قباحت نہیں۔ اگر ذکر میں آواز ملا کر جہری کرنے کی اجازت ہوتی تو قطب الارشاد خود اجازت فرماتے نہ کہ اسے رد فرماتے **کما مرّ**

دوسری بات یہ ہے کہ یہ عالم نعت خواں جیسے دو دو یا تین تین حضرات مل کر پڑھتے ہیں لوگوں میں آواز کو پہنچانے کے لیے اور اب آواز کو جاندار بنانے کے لیے تو اس کو مفاسد شرعیہ سے خالی تو مباح قرار دیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ مباح تو حضرت قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ ------ فرماتے ہیں دیکھیے ص ۴۸۱ تو آپ کا مروجہ طرز کیا حقہ پینے کے برابر ہے؟ یہ برابری آپ کے ہی انداز اور دلیل سے بن رہی ہے نہ کہ فقیر کی رائے میں۔

چوتھی بات یہ ہے حضرت نے مفاسد سے خالی فرمایا ہے جبکہ آپ کے ہاں مفاسد تو موجود ہیں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ مخدوم محترم حضرت ہزاروی صاحب تو اسے حضرت گنگوہی کو معالجہ ثابت فرمائیں اور آپ اس کو مباح قرار دلوائیں بات آپ کو متفق ہو کر ایک تو فرمائیں۔

یہاں لکھتے ہیں: آواز ملانا اور نہ ملانا یہ اچھی چیزیں ہیں۔ ہمارے اکابر کامل تھے اور ہم ناقص بلکہ انقص ہیں ان کا دل آواز ملانے کے بغیر لگتا تھا اور ہمارا دل آواز ملانے کے بغیر نہیں لگتا۔ اس لیے میرے خیال میں آواز ملانے میں کوئی حرج نہیں۔ [ذکر اللہ کے حلقے: ۴۰]

گویا آپ مجتہد ہوئے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اکابر اہل سنت دیوبند کے ہاں آواز ملا کر ذکر کرنے کا دستور نہ تھا۔

اور یہ بات دبے لفظوں میں آپ کے ممدوح حافظ نثار صاحب نے بھی تسلیم فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں:

اکابر میں سے کسی کے ہاں مجالس ذکراللہ کا اہتمام نہ ہونا ذکر اللہ کا عدم جواز نہیں۔[ذکراللہ کے حلقے:۴۸]

حضرت ہزاروی کی ساری کتاب کا جواب ان مقرظین نے دے دیا کہ اکابر اس سے بری تھے اور ادھر حضرت ہزاروی سارا زور اس پر صرف فرما رہے ہیں کہ اکابر کا یہ طریقہ ہے ؎ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حافظ نثار صاحب نے بھی قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کی ایک عبارت اپنے مدعا میں پیش فرمائی ہے، وہ سنئے! وہ لکھتے ہیں:

قطب الارشاد حضرت رشید احمد گنگوہیؒ مشائخ کے تعلیم کردہ انہی زوائد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: اگر کوئی ضروری کہہ دیوے تو بجا ہے کیونکہ حصول مقصود بغیر اس کے دشوار ہے۔[تذکرہ الرشید:۴۷]

حافظ صاحب کی کوشش ہے کہ چونکہ ان کے ہم ذہن اس کو ضروری سمجھتے ہیں، اس لیے اس کی مثال اور دلیل حضرت گنگوہی سے دی جائے کہ وہ بھی صوفیاء کے اشغال کو ضروری کہہ دینے میں حرج نہیں سمجھتے۔

اس کے متعلق گزارش یہ ہے حضرت کی پوری بات دیکھیں حضرت فرماتے ہیں:

اشغال مشائخ کی قیود و تخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں، اس کو مقیس علیہ ٹھہرانا سخت حیرانی کا موجب ہے، خاص کر تم جیسے فہمیدہ آدمی سے، کیونکہ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ ہے، اگرچہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنی اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب اور صدہا آیات و احادیث سے مامور ہونا اس کا ثابت ہے اور طرح طرح کے طرق اوضاع سے اس کو رسول اللہ ﷺ نے بلکہ خاص خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے گویا ساری شریعت اجمالاً وہ وہی ہے کہ جس کا بے وجہ طول ناممکن ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت و حدیث سے وہی ثابت ہوتا ہے۔ پس جس چیز کا مامور ہونا اس درجہ کو ثابت ہے اس کی تحصیل کے واسطہ جو طریقہ مشخص کیا جاویگا وہ بھی مامور بہ ہوگا اور ہر زمانہ اور ہر وقت میں مؤکد ہو جاویگا اور بعض غیر مؤکد، لہٰذا ایک زمانہ میں صوم صلوۃ و قرآن و اذکار مذکورہ احادیث اس مامور بہ کی تحصیل کے واسطے کافی وافی تھے، اس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے مگر ان کی حاجت نہ تھی، بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح بدلا اور طبائع اس اہل طبقہ کی بسبب بعد زمانہ غیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آ گئیں تو یہ اوراد اس زمانہ کے اگرچہ تحصیل مقصود کر سکتے تھے، مگر بدقت و دشواری لہٰذا اطمینان باطن نے کچھ اس میں قیود بڑھائیں اور کمی زیادتی اذکار کی گویا کہ حصول مقصود ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا، لہٰذا ایجاد

بدعت نہ ہوا بلکہ اگر کوئی ضروری کہہ دیوے تو بجا ہے کیونکہ حصول مقصود بغیر اس کے دشوار ہوا اور وہ مقصود و مامور بہ تھا اس کا حاصل کرنا بمرتبہ خود ضروری تھا پس گویا قیود مامور بہ ہوئیں۔ الخ [تذکرۃ الرشید: ۱۲۱]

اس طویل عبارت میں قطب العالم فقیہ النفس یہ فرمانا چاہ رہے ہیں کہ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ مامور بہ ہے اور یہ یقیناً ضروری ہے ایک طرف تو یہ فرض ہے دوسری طرف مندوب تک ہے۔ تو اس کے حصول کے لیے مختلف طریقے اسلاف نے نکالے تو یہ ایک علاج تھا۔ تو ضروری شے کو حاصل کرنے کے طریقے بھی اگر کوئی ضروری کہہ دیوے تو جائز ہے۔

بات یہ ہے حافظ صاحب اس کتاب سے جب یہ بات معلوم ہے کہ کامل طبیب روحانی تو وہ تھے جو وہ علاج سمجھ کر کر گئے اسی کو اختیار فرمائیں اور آج کل کے معالجین کے علاج کے بارے میں نیم حکیم خطرہ جان والی بات ہوگی۔

سوال یہ ہے کہ قطب العالم نے ان اشغال کو جب آپ کے بقول ضروری قرار دیا تو پھر اجتماعی ذکر کو بدعت کیوں قرار دیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کاملین تھے اور ان کی نظر نے اس کو بھی جائز قرار دیا۔

القصہ علاج کے لئے اجتماعی ذکر شرائط کے ساتھ گنجائش رکھتا تھا مگر بسبب تائید بدعت اور تشبہ بالمبتدعین اور صاف سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشاد کے اب اس کو ترک ہی کرنا چاہیے۔

اس پر صواعق محرقہ سے چند احادیث کا خلاصہ عرض خدمت ہے۔

امام ابوداؤد اور حاکم نے حضرت ام فضلؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبرئیل امین آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ کی امت عنقریب آپ کے بیٹے کو قتل کرے گی یعنی (سیدنا حضرت) حسین رضی اللہ عنہ کو۔

امام ترمذی نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے (خواب میں) دیکھا رسول اللہ ﷺ کو روتے ہوئے اور آپ ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی مبارک پر مٹی لگی ہوئی تھی تو میں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ابھی حسین کو شہید کر دیا گیا۔

اسی طرح ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ سیدنا حضرت علیؓ جنگ صفین جاتے ہوئے کربلا سے گزرے تو پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے تو بتایا گیا کربلا تو آپ اتنا روئے کہ زمین بھیگ گئی۔ پھر فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا تو وہ بھی رو رہے تھے تو میں نے پوچھا کہ آپ ﷺ کیوں روتے ہیں۔ فرمایا ابھی جبرئیل آئے تھے تو انہوں نے بتایا کہ آپ کا بیٹا حسینؓ فرات کے کنارے کربلا کے مقام پر شہید کیا جائے گا۔ الخ [صواعق

محرقہ :۱۹۲، ۱۹۳]

تو آپ حضرات سارے اس طرح رونے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ یہ تو احادیث میں موجود ہے۔ یا پھر اہل بدعت کی تشبہ اور تائید وتقویت کی وجہ سے اپنے عمل سے رک جائیں گے؟

ہوسکتا ہے کہ کوئی روحانی طبیب صاحب جیسا کہ منافی متن ہذا بھی سہی کہ اس رونے کی ترغیب بھی اپنے شیخ سے نقل فرماتے تھے۔ حالانکہ ہم سمجھتے ہیں حضرت شیخ کا دامن اس سے بری ہے۔ تو کیا آپ بھی مجالس بکاء کا اہتمام فرمائیں گے؟ اگر نہیں تو کیوں وجہ کیا ہے جب نبی پاک ﷺ سے رونا اور سیدنا حیدر کرارؓ سے ثابت ہو جائے تو پھر؟

اگر آپ بھی یہی فرمائیں گے کہ تشبہ بالروافض اور ان کی تائید اور تقویت کے باعث ہے اس لیے اس عمل کی ہرگز اجازت نہ دی جائے گی۔ بس ہماری طرف سے بھی یہی عذر سمجھیں کہ باوجود بعض لوگوں کے علاج کے لیے اس کی اجازت تشبہ، تائید وتقویت بدعت واہل بدعت ہے اس لیے اس کی گنجائش نہ ہو۔ گی اور صراحتاً یہ بات جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشاد گرامی کیخلاف ہوگی۔

اسی پر ہم اپنی معروضات کو ختم کرتے ہیں۔ ہم نے کسی شخصیت کو نہ مجروح کرنے کی کوشش کی ہے ، نہ ہی ان کی بے ادبی البتہ مسلک حق اہل سنت دیوبند کا واضح کیا ہے۔ اسی لیے اگر میری تحریر یا لہجہ سے کسی کو تکلیف ہو تو میری طرف سے معذرت ہے باقی درخواست ہے مسلک اہل سنت دیوبند کو سمجھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔

دوسری گزارش: اس فقیر کا میدان اور ہے اور فقیر کوئی مرغان جنگی میں سے بھی نہیں ہے، احقاق حق کے لیے چند باتیں عرض کر دی ہیں کہیں کہیں اس میں تکرار بھی ہو اس کو بھی معذوری سمجھیں۔

تیسری گزارش ہے کہ یہ بندہ عرض کر چکا ہے کہ مسلک اہل سنت دیوبند کے دفاع کی یہ کوشش تھی، اگر کوئی نہ مانے تو فقیر بھی چند بار لکھ کر عرض کر چکا ہے۔ لہٰذا اتمام حجت کے لیے کافی ہے اور آئندہ ضرورت شاہدہ کے بغیر اس عنوان سے قلم کو روک دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی مرضیات میں لگائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ وعلی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

خادم حسین بدر......۸/محرم الحرام ۱۴۴۱ھ...... بمطابق ۸/ستمبر ۲۰۱۹ء...... بوقت ۱۱:۴۵ منٹ

☆......☆......☆......☆

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

علی زئی جواب پر ایک نظر

قسط: ۱۰

زبیر علی زئی:

۱: فاتحہ خلف الامام کے بارے میں امام محمد بن اسحاق بن یسار (جو موثق عند الجمہور ہیں) [۵۴۹] کی حدیث کو درج ذیل محدثین کرام نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے:

امام ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن الجارود اور دارقطنی وغیرہم رحمہم اللہ۔ (دیکھئے الکواکب الدریہ ص ۵۸، ۵۹)

لیکن آلِ دیوبند [۵۵۰] اسے ضعیف کہتے ہیں، حالاں کہ ان کے اصول سے یہ روایت صحیح ہے۔ [۵۵۱]

۲: جرابوں پر مسح والی روایت کو ترمذی (۹۹) ابن خزیمہ (۱۹۸) اور ابن حبان (۱۷۶) صحیح قرار دیتے ہیں مگر دیوبندیہ وغیرہم اسے ضعیف سمجھتے ہیں [۵۵۳] حالاں کہ یہ حدیث اُن کے اصول پر [۵۵۲] بالکل صحیح ہے۔ [۵۵۴]

۳: سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث کو ابن خزیمہ (۴۷۹) نے صحیح قرار دیا ہے، [۵۵۵] لیکن آلِ دیوبند اسے مومل بن اسماعیل [۵۵۶] کی وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث بھی دیوبندی اصول کی رُو سے صحیح ہے [۵۵۷] اور مومل بن اسماعیل کی بیان کردہ ایک سند کے بارے میں ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

"رجالہ ثقات" اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [۵۵۸] (اعلاء السنن ۳/۱۳۳ تحت ح ۸۶۵)

تھانوی مذکور نے مومل کی بیان کردہ ایک سند کو حسن قرار دیا ہے۔ [۵۵۹] (اعلاء السنن ۳/۱۱۸ ح ۸۵۰)

الجواب:

۵۴۹

متعدد غیر مقلدین نے محمد بن اسحاق کو مطلقاً ضعیف قرار دیا ہے اور بعضوں نے کہا وہ حلال، حرام اور احکام میں ضعیف ہے اور تاریخ و مغازی میں ثقہ ہے۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

غیر مقلدین کے مسلم پیشوا قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

"**اِبْنُ اِسْحَاقَ لَیْسَ بِحُجَّةٍ لَا سِیَّمَا اِذَا عَنْعَنَ** ،ابن اسحاق حجت نہیں خصوصاً جب وہ عن

کہہ کر روایت بیان کرے۔[نیل الاوطار ۱/۲۳۴]

غیر مقلدین کے مجدد نواب صدیق حسن لکھتے ہیں:

’’درسندش نیز محمد بن اسحاق است ومحمد بن اسحاق حجت نیست، اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے اور محمد بن اسحاق حجت نہیں ہے۔‘‘[دلیل الطالب:۲۳۹]

عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’**وَهُوَ لَا يُحْتَجُّ بِمَا انْفَرَدَ بِهٖ**‘‘[ابکار المنن:۵۴]

اور اس سے حجت نہیں لی جاتی جب کہ وہ منفرد ہو۔

مبارک پوری صاحب ہی لکھتے ہیں:

’’**فِيْ حِفْظِهٖ شَيْءٌ**‘‘اس کے حافظہ میں کلام ہے۔[حوالہ مذکورہ:۸۹]

شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’**فَاِنَّهٗ انْفَرَدَ بِهٖ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ وَلَيْسَ هُوَ مِمَّنْ يُحْتَجُّ بِهٖ فِي الْاَحْكَامِ**‘‘[عون المعبود ۱/۲۳]اس حدیث کو روایت کرنے میں محمد بن اسحاق منفرد ہیں اور وہ احکام سے متعلقہ روایات میں حجت نہیں۔

عبدالرحمٰن معلّمی یمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’**اِبْنُ اِسْحَاقَ مُتَكَلَّمٌ فِيْهِ وَفِيْ حِفْظِهٖ شَيْءٌ**‘‘[التنکیل:۲/۹۶وھکذافی:۲/۱۲۳]

ابن اسحاق متکلم فیہ ہیں اور ان کے حافظہ میں خرابی ہے۔

غیر مقلدین کے’’امام المحدثین‘‘ شیخ البانی لکھتے ہیں:

’’**وَمَا انْفَرَدَ بِهٖ فِيْهِ نَكَارَةٌ فَاِنَّ فِيْ حِفْظِهٖ شَيْئًا**‘‘[اِرواء الغلیل:۲/۴۴]

جس روایت میں وہ منفرد ہو، اس میں نکارت ہوتی ہے کیوں کہ اس کے حافظہ میں خرابی ہے۔

البانی صاحب مزید لکھتے ہیں:

’’**اِبْنُ اِسْحَاقَ حُجَّةٌ فِي الْمَغَازِيْ لَا فِي الْاَحْكَامِ اِذَا خَالَفَ** ۔[ضعیف ابوداود:۲/۱۶۵]محمد بن اسحاق مغازی میں تو حجت ہے مگر احکام میں حجت نہیں خاص کر جب وہ دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت کرے۔

محمد اعظم غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’محمد بن اسحاق ضعیف ہے **قَالَ يَحْيٰ بْنُ الْقَطَّانِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْحَاقَ كَذَّابٌ، قَالَ مَالِكٌ دَجَّالٌ مِّنَ الدَّجَاجِلَةِ**، محمد بن اسحاق جھوٹا اور دجال ہے‘‘[تعزیہ وماتم اور واقعہ کربلا:۳۰]

حکیم فیض عالم صدیقی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’ہم نے یہاں کسی ابن اسحاق جیسے مسخرے، ابن ہشام جیسے تقیہ باز اور واقدی جیسے کذاب کو گھسنے نہیں دیا۔‘‘ [خلافت راشدہ: ۷۷]

حکیم صاحب ہی لکھتے ہیں:

’’یہ ابن اسحٰق وہ ذات شریف ہوئے ہیں جن کے متعلق امام مالک کہتے ہیں کہ **دجال من الدجالة** وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ سلیمان تیمی، یحیٰی بن سعید القطان اور وہیب بن خالد اسے کذاب کہتے ہیں۔ اکثر ائمہ حدیث نے اسے نا قابل حجت قرار دیا ہے ابن اسحاق مدنی تھا مگر مدینہ سے نکل کر کوفہ، جزیرہ، رے سے گھومتا ہوا بغداد مقیم ہو گیا۔ مشہور رافضی مفسر اور مؤرخ ابن جریر طبری اسی کا خوشہ چین ہے۔‘‘ [صدیقہ ؓ کائنات: ۱۱۴]

حکیم صاحب اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

’’محمد بن اسحاق جس کے متعلق امام مالک کا قول ہے کہ وہ ثقہ اور معتبر نہیں، امام بخاری نے اس سے کوئی روایت نہیں لی، علی المدائنی اسے ضعیف الروایة کہتے ہیں۔ امام ابو حاتم کے نزدیک وہ غیر مستند تھا اور نسائی اسے ضعیف کہتے ہیں۔‘‘ [اختلافِ امت کا المیہ: ۶۷ طبع سوم]

حکیم فیض عالم صدیقی کی غیر مقلدیت کے لیے پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد صاحب غیر مقلد کی کتاب ’’تذکرہ علماء اہلِ حدیث پاکستان: ۳/۲۲۹ تا ۲۳۱‘‘ کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اس تذکرہ میں حکیم صاحب کی مذکورہ بالا کتاب ’’اختلاف امت کا المیہ‘‘ کو ’’لا جواب‘‘ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

’’آپ نے مندرجہ ذیل کتب اپنی یادگار کے طور پر چھوڑی ہیں۔ ا۔ اختلاف امت کا المیہ حصہ اول۔ یہ کتاب ردتقلید کے موضوع پر لاجواب کتاب ہے‘‘ [تذکرہ علماء اہلِ حدیث پاکستان: ۳/۲۳۱]

تنبیہ: حکیم فیض عالم صدیقی کی غیر مقلدیت پر متعدد حوالہ جات ہم نے اپنی اسی کتاب ’’زبیر علی زئی کا تعاقب‘‘ میں اپنے مقام پر نقل کر دیئے ہیں۔

عبد السلام رستمی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’**بل راوی محمد بن اسحاق دے او په هغه باندے ډیر اصحاب الجرح و التعدیل کلام کرے دے چه په حدیث کبنی کذاب او دجال وؤ او عنعنه هغه په اتفاق سره قبوله نه ده او دَ دے حدیث بنکاره دلیل دَه ضعف بلکه دَوضع دادے۔**‘‘ [تفسیر احسن الکلام: ۵/۳۷۴ تحت آیت **سبحان الذی اسری بعبده ...**]

ترجمہ: دوسرا راوی محمد بن اسحاق ہے اور اس پر بہت سے اصحاب الجرح والتعدیل نے کلام کیا ہے

کہ یہ احادیث میں کذاب و دجال ہے اس کا عن کہہ کر روایت کرنا تو بالاتفاق قابلِ قبول نہیں۔ اس کی حدیث نکارت کی وجہ سے ضعف بلکہ موضوع ہونے کی دلیل ہے۔

فائدہ:۱ پشتو زبان والا مذکورہ حوالہ اور آگے آنے والا خلافتِ راشدہ کتاب کا حوالہ مولانا عبد الرحمٰن صاحب (پشاور) نے مہیا کیا ہے۔ جب کہ کچھ حوالے بندہ نے حافظ ظہور احمد الحسینی حفظہ اللہ کی کتاب ''التحقیق الحسن ''اور حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی رحمہ اللہ کی کتاب ''توضیح الاکلام پر ایک نظر'' سے نقل کئے ہیں۔ جزاهم الله خيرا.

فائدہ:۲ بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی محمد بن اسحاق پر جرح ثابت نہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے خود غیر مقلد علماء نے اعتراف کیا ہے کہ محمد بن اسحاق پر امام مالک رحمہ اللہ کی جرح ثابت ہے۔

خود علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''محمد بن اسحاق کے بارے میں محدثین کرام کا اختلاف ہے امام مالک وغیرہ نے انہیں کذاب کہا ہے۔'' [نور العینین: ۲۶۳، طبع ۲۰۰۶ء]

علی زئی صاحب کے استاد محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''محمد بن اسحٰق کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ نے دجال وغیرہ کے الفاظ کہے۔''

[مقالاتِ راشدیہ: ۱/۳۴۴]

۵۵۰

محمد بن اسحاق کی فاتحہ خلف الامام والی روایت کو متعدد غیر مقلدین نے بھی ضعیف کہا ہے۔ مثلاً:

شیخ عقیل احمد صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ضعیف ہے ...اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں کئی علتیں ہیں ...سند میں مکحول کا اضطراب بھی ہے۔'' [تخریج و تحقیق حدیث نماز صفحہ ۱۴۳، سلفی دار الاشاعت دہلی]

عقیل صاحب مزید لکھتے ہیں:

''شیخ البانی نے اس حدیث کی سند پر مفصل کلام کیا ہے اور اسے ضعیف ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ضعیف ابی داود۔ (۱/۳۱۷، ۳۲۰)'' [تخریج و تحقیق حدیث نماز: ۱۴۳، سلفی دار الاشاعت دہلی]

عمر فاروق سعیدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''ضعیف'' لکھا ہے۔'' [ترجمہ و فوائد سنن ابو داود: ۱/۶۱۰ طبع دار السلام]

یاد رہے کہ البانی صاحب نے نہ صرف فاتحہ خلف الامام والی روایت کو ضعیف کہا بلکہ ڈنکے کی چوٹ

اعلان کر دیا ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا منسوخ ہے۔ (صفۃ صلوۃ النبی: ۸۰)

اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ جماعت سے پڑھی جانے والی اکثر نمازیں: فجر، مغرب، عشاء،، جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان میں وتر جہری ہیں۔ مزید یہ کہ غیر مقلدین کے ہاں جنازہ جہراً پڑھنا معمول بہ ہے اور اس میں قراءت بھی کرتے ہیں۔

۵۵۱

کیسے صحیح ہے اس کی وضاحت کر دیتے تو ہمیں کچھ تبصرہ کرنے کا موقع ملتا۔

۵۵۲

علی زئی نے اپنی متعدد تحریروں میں کہا ہوا ہے کہ حدیث کی تصحیح و تضعیف میں جمہور کو ترجیح ہے۔ اور جرابوں پر مسح والی یہ روایت بھی جمہور محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔ علی زئی صاحب کے اپنے اقرار واعتراف سے بڑھ کر اور کیا گواہی ہو سکتی ہے۔ وہ بقلم خود لکھتے ہیں:

''اس روایت پر جمہور محدثین نے جرح کی ہے لیکن ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔'' [علمی مقالات: ۸۱/۶]

۵۵۳

اوپر علی زئی صاحب کا اعتراف مذکور ہو چکا کہ جرابوں پر مسح والی روایت جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، لہٰذا اگر دیوبندیوں نے اسے ضعیف کہا ہے تو کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ مزید لطف کی بات ہے کہ جرابوں پر مسح والی روایت کو علی زئی سمیت متعدد آلِ غیر مقلدیت نے بھی ضعیف تسلیم کیا ہے۔

عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد کہتے ہیں:

''مذکورہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے اور مجوزین نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے، اس میں خدشات ہیں۔'' [فتاویٰ نذیریہ: ۳۲۷/۱]

مبارک پوری صاحب آگے کہتے ہیں:

''حدیث مرفوع تو وہ ہے جس کو ترمذی نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جراب اور جوتے پر مسح کیا، ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، اس پر اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی یہ حدیث روایت نہیں کیا کرتے تھے کیوں کہ مغیرہ سے مشہور روایت موزے پر مسح کرنے کی ہے، ابوموسیٰ اشعری نے بھی جراب پر مسح کرنے کی روایت نقل کی ہے لیکن اس کی سند متصل نہیں، امام مسلم نے اس کو ضعیف کہا ہے، مغیرہ بن شعبہ سے جتنے لوگوں نے اس حدیث کو روایت کیا، انہوں نے موزے پر مسح بیان کیا ہے، صرف ابوقیس راوی اور ہذیل

بن شرحبیل نے جراب کا لفظ بیان کیا ہے لیکن یہ دوسرے راویوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ عبد الرحمٰن بن مہدی نے سفیان ثوری سے کہا اگر آپ مجھے ابوقیس عن ہذیل کی حدیث سنائیں تو میں اس کو آپ سے قبول نہیں کروں گا۔ سفیان نے کہا وہ حدیث واقعی ضعیف ہے۔ علی بن مدینی نے کہا: مغیرہ کی حدیث کو مدینہ، کوفہ اور بصرہ والوں نے روایت کیا ہے سب موزہ کا ذکر کرتے ہیں، صرف ابوقیس جراب کا تذکرہ کرتے ہیں، بیہقی نے کہا: یہ حدیث منکر ہے، اس کو سفیان ثوری اور عبد الرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، یحی بن معین، علی بن مدینی، امام مسلم نے ضعیف کہا ہے۔" [فتاویٰ نذیریہ: ۱/۳۲۷]

مبارک پوری صاحب مزید کہتے ہیں:

"اگر اس روایت کے یہ الفاظ ہوتے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر اور جرابوں اور جوتی پر مسح کیا تو ایک امر زائد تھا لیکن اس نے تو موزے کے بجائے جراب اور جوتی کا ذکر کیا ہے، تو یہ امر زائد نہیں ہے بلکہ ثقات کی مخالفت ہے، باقی رہا ترمذی کا اس کو حسن کہنا تو امام نووی نے کہا کہ جن لوگوں نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے ان میں سے ہر ایک امام ترمذی سے مقدم ہے، اور پھر یہ اصول بھی ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے ...پھر یہ خیال کرنا چاہیے کہ جراب پر مسح کرنے والوں کا مقصد تو یہ ہے کہ صرف جراب پر مسح کرنا جائز ہے، حالانکہ اس حدیث میں جراب اور جوتی پر مسح کا ذکر ہے یعنی جراب کے اوپر جوتی پہنے ہوئے آپ نے مسح کیا، صرف جراب پر مسح نہیں کیا۔ یہاں ایک اور خدشہ بھی ہے کہ جراب سوتی بھی ہوتی ہے اور اونی بھی، موٹی بھی اور باریک بھی اور وہ بھی جس کے نیچے چمڑا لگا ہوا ہے تو جب تک کسی خاص لفظ سے پتہ نہ چلے کہ وہ جراب جس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کیا، وہ چمڑے والی نہ تھی تب تک مقصود مجوزین ثابت نہیں ہوسکتا، کیوں کہ چمڑے والی جراب تو موزہ کے حکم میں ہے۔ اگر کہا جائے کہ دوسری جراب کا بھی احتمال تو ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس میں جب صراحت نہیں ہے، تو نفس مطمئن نہیں ہوسکتا اور حضور نے فرمایا ہے: شک والی چیز کو ترک کر دو۔" [فتاویٰ نذیریہ: ۱/۳۲۹ تا ۳۳۱]

مبارک پوری صاحب کے اس فتوی کی غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے تصدیق کی ہے۔

مذکورہ فتویٰ مبارک پوری اور میاں صاحب کا ہے ذیل میں علی زئی صاحب کی زبانی ان کا مقام ملاحظہ ہو۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"جماعت اہلِ حدیث کے نامور اور محقق مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ کی معرکۃ لآراء کتاب..." [توضیح الاحکام: ۱/۳۳۱]

"سرخیل اہلِ حدیث، المحدث، الفقیہ سید محمد نذیر حسین (الدہلوی) رحمہ اللہ" [توضیح الاحکام: ۲/۲۰۰]

غیر مقلدین میں ''بیہقی وقت'' کا لقب پانے والے اور علی زئی صاحب کے شیخ الشیخ/دادا استاد شرف الدین دہلوی غیر مقلد نے ترمذی میں واقع جرابوں پر مسح والی روایت کے متعلق لکھا:

''صحححه الترمذی لکنه ضعفه المحدث الکبیر عبد الرحمن بن مهدی و ابوداود و شیخ البخاری علی بن المدینی وغیرهم وقالوا الروایة عن المغیرة المسح علی الخفین لا الجوربین وفی الباب عن ابی موسی وغیره ولا یثبت شئ منها کما فی المطولات''

[فتاویٰ ثنائیہ:۱/۴۴۱]

ترجمہ: اسے ترمذی نے صحیح کہا لیکن محدث کبیر عبدالرحمٰن بن مہدی، ابوداود اور بخاری کے شیخ علی بن مدینی نے ضعیف قرار دیا اور کہا مغیرہ سے موزوں پر مسح کی روایت ہے نہ کہ جرابوں پر مسح کی۔ اور اس باب میں ابوموسیٰ وغیرہ سے روایت کی گئی مگر ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں جیسا کہ مطول کتابوں میں لکھا ہے۔

دہلوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''نیز یہ حدیث مذکورہ بلفظ مسح علی الجوربین و النعلین ہے اور واؤ بمعنیٰ مع ہے یعنی جوربین کے ساتھ نعلین پر دونوں پر مسح کیا، نہ کہ صرف جوربین پر لہٰذا صرف جوربین پر مسح کا استدلال اس حدیث سے ثابت نہ ہوا، ورنہ صرف نعلین پر بھی مسح کرنا لازم ہوگا۔ والازم باطل فالمزوم مثله۔ نیز نیل الاوطار میں بحوالہ قاموس وغیرہ جورب کا معنیٰ خف کبیر لکھا ہے اور خف چرمی ہوتا ہے اور اگر جورب سوتی اونی بھی تسلیم کیا جائے کہ ہوتی تھی یا ہوتی ہے تو پھر اس چیز کا ثبوت ہونا چاہیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جورب پر مسح کیا تھا وہ کس قسم کی تھی ولم یثبت تعیینه و اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ ہاں چند صحابہ رضوان اللہ علیہم سے مسح علی الجوربین ثابت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا نہیں کہ اس میں اجتہاد کو دخل نہ ہوتا حکماً حدیث مرفوع ثابت ہو۔ پھر صحابہ سے علت بھی منقول نہیں کہ کیا ہے، نہ ہی روایت صاحب وحی سے۔ نیز پھر یہ بھی ثابت نہیں کہ صحابہؓ نے صرف جوربین پر مسح کیا یا مع النعلین پر بلکہ بعض صحابہ سے جوربین کے ساتھ ہی نعلین پر ثابت ہے جیسے حضرت علیؓ اور براء بن عازب اور ابومسعود انصاری کے۔ جورب کی تعیین بھی ثابت نہیں کہ کس قسم کی تھیں چرمی یا غیر چرمی پھر یہ مسئلہ نہ قرآن سے ثابت ہوا، نہ حدیث مرفوع صحیح سے، نہ اجماع، نہ قیاس صحیح، نہ چند صحابہ کے فعل اور اس کے دلائل سے۔ اور غسل رجلین نص قرآنی سے ثابت ہے لہذا خف چرمی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کے سوا جورب پر مسح ثابت نہیں ہوا۔ هذا والله اعلم ملاحظہ ہو نیل الاوطار و نصب الروایة وغیرہ۔'' [فتاویٰ ثنائیہ:۱/۴۴۲]

عبدالجبار غزنوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''جرابوں پر مسح کرنا حدیث صحیح سے ثابت نہیں اور مغیرہ کی حدیث جو ترمذی میں ہے مسح رسول

الله صلى الله عليه وسلم على الجوربين وہ حدیث ضعیف ہے نصب الرایہ میں ہے: اور بیہقی نے مغیرہ کی اس حدیث کو بیان کر کے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے سفیان ثوری اور عبدالرحمٰن بن مہدی اور احمد بن حنبل اور یحیی بن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ امام نوویؒ نے کہا کہ ہر ایک ان میں سے اگر اکیلا بھی بیان کرے تو بھی ترمذی سے بڑھ کر ہے باوجود اس کے کہ جرح مقدم ہے تعدیل پر اور کہا کہ حفاظ حدیث نے اس حدیث کے ضعف کرنے پر اتفاق کیا ہے اور امام ترمذی کا قول کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے مقبول نہیں۔ اور ابوموسیٰ کی حدیث جو ابوداود میں ہے۔ توضا رسول الله صلى الله عليه وسلم و مسح على الجوربين و النعلين ابوداود آپ اس حدیث میں لکھتے ہیں یہ حدیث نہ متصل ہے اور نہ اس کی سند قوی۔ بفرضِ صحت اس حدیث کے یہ جورابیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کیا معلوم نہیں کہ چمڑے کی تھیں یا اون کی یا سوت کی کیوں کہ لغت میں جورب کا اطلاق جیسا سوتی اونی پر ہوتا ہے اسی طرح چمڑے کے بنے ہوئے پر بھی ہوتا ہے۔ طیبی نے کہا جراب چمڑہ کا لفافہ ہے جس کو موزہ کہتے ہیں وہ پنڈلی تک ہوتا ہے۔''

[فتاویٰ علمائے حدیث: ۱/۹۹، مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور]

اس فتوی میں عربی عبارات بھی ہیں تو میں نے انہیں حذف کر کے حاشیہ سے ان کا ترجمہ شامل کیا ہے، یہ ترجمہ کسی عبدالودود علوی نامی شخص کا ہے۔

علی زئی صاحب ترمذی کی جرابوں پر مسح والی روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس روایت کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور سند عن سے ہے۔'' [علمی مقالات: ۶/۳۴۱]

جرابوں پر مسح کی روایت پر بحث کرتے ہوئے علی زئی صاحب نے یوں بھی کہا:

''سفیان ثوری کی معنعن روایت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' [توضیح الاحکام: ۱/۲۲۴]

ابوسعد (فاضل جامعہ اہل الحدیث حضرو) علی زئی کے متعلق لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ شیخ صاحب مسح علی الجوربین پر خطبہ دے رہے تھے... مرفوع حدیث ایک بھی بیان نہ کی اور آخر میں کہا: مسح علی الجوربین پر کچھ مرفوع روایات ہیں، لیکن وہ ضعیف ہیں، اس لئے میں نے بیان نہیں کیں، نیز کہا: میں دوغلی پالیسی اختیار نہیں کرتا کہ اپنے موقف پر ضعیف حدیث پیش کروں۔'' [اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص بیاد زبیر علی زئی: ۴۲۵]

تنبیہ: بہت سے عربی علماء اور غیر مقلد مصنفین نے جرابوں پر مسح کو ناجائز بتایا ہے۔ حوالہ جات کے لیے حضرت مولانا منیر احمد منور دام ظلہ کی کتاب ''جرابوں پر مسح کا شرعی حکم: ۱۶۳، ۱۶۹'' ملاحظہ فرمائیں۔

۵۵۴

کیسے صحیح ہے اس کی وضاحت کی ہوتی تو ہم اس پر غور کرتے۔

۵۵۵

علی زئی صاحب کہتے ہیں:

''سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث کو ابن خزیمہ (۴۷۹) نے صحیح قرار دیا ہے۔'' عرض ہے کہ علی زئی صاحب کی اپنی تحریر سے بہتر جواب کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب انہی کی زبانی ملاحظہ ہو۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان وغیرہما ان کتابوں کو تلقی بالقبول حاصل نہیں، لہٰذا ان کے ساتھ اختلاف کیا جا سکتا ہے مثلاً صحیح ابن خزیمہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت صرف سفیان ثوری کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔'' [توضیح الاحکام:۲/۳۳۵]

دوسری جگہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس (عن) کی وجہ سے یہ روایت ہمارے نزدیک ضعیف ہے۔''

[علمی مقالات:۶/۳۶۸]

علی زئی صاحب کی ایک اور عبارت بھی پڑھ لیں:

''سفیان الثوری ثقہ مدلس ہیں لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔'' [نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام :۲۸، مکتبہ اسلامیہ] مزید دیکھئے۔ [علمی مقالات:۱/۴۲۶]

علی زئی صاحب کی طرح دیگر کئی آلِ غیر مقلدیت: البانی، شعیب الارناؤط، عبدالرؤف سندھو اور شیخ عقیل احمد وغیرہم نے بھی ابن خزیمہ والی سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت کو سنداً ضعیف تسلیم کیا ہے۔ حوالہ جات آگے حاشیہ:۵۵۶ میں آرہے ہیں ان شاء اللہ۔

تنبیہ: ابن خزیمہ کی سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت غیر مقلدین کے اصولوں کے مطابق تین وجوہ سے ضعیف ثابت ہوتی ہے۔

۱۔ مؤمل بن اسماعیل کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔ مؤمل کے مجروح ہونے پر حوالہ جات آگے حاشیہ:۵۵۶ میں آرہے ہیں۔

۲۔ سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے۔ غیر مقلدین ترک رفع یدین کی حدیث کو ضعیف باور کرانے کے لیے سفیان کی تدلیس کو وجہ ضعف بتلایا کرتے ہیں، جیسا کہ علی زئی صاحب نے نور العینین وغیرہ کتابوں میں کہا ہے۔

۳۔ اس کی سند میں عاصم بن کلیب بھی ہے جسے غیر مقلدین ترک رفع یدین کی حدیثوں میں ضعیف قرار دیتے ہیں۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

حکیم محمود سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں عاصم بن کلیب ضعیف ہے۔'' [شمس الضحیٰ:۱۱۱بحوالہ نور الصباح:۲۲۹/۲]

اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''عاصم بن کلیب اور محمد بن جابر کے دونوں طریق باتفاق ائمہ ضعیف ہیں۔''

[تحریک آزادئ فکر:۲۵۴]

صادق خلیل غیر مقلد لکھتے ہیں:

''یہ حدیث ضعیف ہے،اس کی سند میں عاصم بن کلیب راوی منفرد اور ضعیف ہے۔''

[شرح مشکوۃ اردو:۱/۳۶۸]

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اسے معتبر قرار دینے سے یہ بات مانع ہے کہ اس کا دارومدار عاصم بن کلیب جرمی پر ہے۔'' [سلفی تحقیقی جائزہ:۲۷۲]......''اس حدیث کا دارومدار بھی عاصم بن کلیب پر ہے،جن کا ساقط الاعتبار ہونا واضح کا جا چکا ہے۔'' [سلفی تحقیقی جائزہ:۵۸۵]......''اس کی سند میں واقع عاصم بن کلیب کا حال ہم بیان کر آئے ہیں کہ ان کی روایت ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔'' [سلفی تحقیقی جائزہ:۵۸۸]

ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''سند کا مدار عاصم بن کلیب پر ہے اور وہ منفرد ہے۔امام ابن المدینی نے کہا ہے کہ جب وہ منفرد ہو تو قابلِ احتجاج نہیں'' [مقالاتِ اثری:۲/۱۱۳]

داود ارشد غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اسے بیان کرنے میں عاصم منفرد ہے اور امام علی بن مدینی کہتے ہیں کہ جب عاصم منفرد ہو تو حجت نہیں ہوتا۔'' [حدیث اور اہلِ تقلید:۱/۲۲۷]

رفع یدین کے موضوع پر لکھی گئی غیر مقلدین کی تحریروں کا مطالعہ کریں عاصم بن کلیب پر جرح کے مزید بہت سے حوالے مل جائیں گے۔

سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت غیر مقلدین کے ہاں مذکورہ بالا تین وجوہ سے ضعیف ثابت ہوتی ہے،پھر بھی اسے اپنی دلیل بنائے ہوئے ہیں اس عنوان پر لکھی گئی ان کی تحریروں کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں۔

۵۵۶

عرض ہے کہ مؤمل بن اسماعیل کو صرف علمائے دیو بند ہی ضعیف نہیں کہتے۔جمہور کے ہاں بھی ضعیف ہے۔چنانچہ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا:

”مؤمل بن اسماعيل وثقه ابن معين و ضعفه الجمهور ،مؤمل بن اسماعیل کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے اور جمہور نے ان کی تضعیف کی ہے۔“[مجمع الزوائد ۶۳/۵ بحوالہ انوار البدر:۴۰۵]

مؤمل بن اسماعیل کو آلِ غیر مقلدیت بھی ضعیف کہتے ہیں۔ان کے حوالہ جات سے پہلے محدثین کے چند حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

ابو حاتم رازی فرماتے ہیں:

”كثير الخطاء“ [کتاب الجرح والتعدیل:۳۷۴/۸]

یعقوب بن سفیان الفارسی فرماتے ہیں:

”كان لا يسعه ان يحدث وقد يجب على اهل العلم ان يقعوا عن حديثه ،اس کے لیے حدیث بیان کرنا جائز نہیں تھا،اہلِ علم پر واجب ہے کہ وہ اس کی حدیث سے توقف کریں۔“[کتاب المعرفۃ والتاریخ:۵۲/۳]

ابن سعد فرماتے ہیں:

”كثير الغلط“[الطبقات الکبری لابن سعد:۵۰۱/۵]

دار قطنی کہتے ہیں:

”كثير الخطاء“[سوالات الحاکم للدار قطنی:۴۹۲]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

”سیء الحفظ“[تقریب:۷۰۲۹]

احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

”كان يخطئ“[سوالات المروزی:۵۳ وموسوعۃ اقوال الامام احمد:۴۱۹/۳]

محدثین کے مذکورہ بالا حوالے علی زئی کی کتاب ”علمی مقالات:۴۱۷/۱ تا ۴۱۹“ سے منقول ہیں۔

امام مروزی رحمہ اللہ نے کہا:

”اذا انفرد بحديث وجب ان توقف و يتثبت فيه لانه كان سئ الحفظ كثير الغلط ، جب یہ کسی حدیث کی روایت میں منفرد ہوں تو توقف کیا جائے گا،اور اس میں چھان بین کی جائے گی،کیوں کہ یہ بُرے حافظے والے تھے اور زیادہ غلطی کرتے تھے۔“[تعظيم قدر الصلوة :۵۷۴/۲]

امام زکریا بن یحیٰ الساجی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

”صدوق كثير الخطاء،یہ سچے ہیں اور بہت غلطی کرنے والے ہیں۔“

[تہذیب التہذیب لابن حجر:۳۳۹/۱۰]

امام ابن عمار الشہید رحمہ اللہ نے کہا:

’’فاما مؤمل فكان قد دفن كتبه و كان يحدث حفظا فيخطئ الكثير، جہاں تک مؤمل کی بات ہے تو انہوں نے اپنی کتابیں دفن کر دی تھیں اور حافظے سے روایت کرتے تھے، جس کے سبب بہ کثرت غلطی کر جاتے۔‘‘ [علل الاحادیث فی صحیح مسلم: ۱۰۷، تہذیب الکمال: ۱۷۸/۲۹]

امام مروزی، امام الساجی اور امام ابن عمار رحمہم اللہ کے حوالے کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد کی کتاب ’’انوار البدر: ۴۳۵، ۴۳۷ سے منقول ہیں۔

محدثین کے حوالوں کے بعد اب غیر مقلدین کے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

عبد الرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’یہ سند ضعیف ہے کیوں کہ مؤمل بن اسماعیل سیئ الحفظ ہے جیسا کہ ابن حجر نے تقریب (۲۹۰/۲) میں کہا ہے۔ ابوزرعہ نے کہا ہے کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے، ذہبی نے کہا کہ یہ حافظ عالم ہے مگر غلطیاں کرتا ہے۔ میزان (۲۲۸/۴) بیہقی (۳۰/۲) بزار (۲۶۸) طبرانی (۵۰/۲۲) اور ابن عدی (۲۱۶۶/۶) میں اس کی وائل بن حجر سے ایک دوسری سند بھی ہے مگر یہ سند بھی ضعیف ہے۔ لیکن...‘‘ [القول المقبول: ۳۴۰ طبع چہارم]

علی زئی صاحب کے استاد گرامی عبد المنان نور پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’ابن خزیمہ والی یہ حدیث مؤمل بن اسماعیل کی وجہ سے ضعیف معلوم ہوتی ہے۔‘‘ [مکالمات نور پوری: ۵۲۸]

لگے ہاتھوں مکالمات نور پوری کے حاشیہ کی بات بھی پڑھتے چلیں:

’’سید بدیع الدین شاہ صاحب پیر آف جھنڈا فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جو مؤمل بن اسمعیل ہے، وہ مؤمل نہیں جسے تہذیب وغیرہ میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ مزید تحقیق فتح الغفور پر ان کی تحقیق و تخریج ملاحظہ فرمائیں۔‘‘ [حاشیہ: مکالمات نوری پوری: ۵۲۸]

شیخ عقیل احمد غیر مقلد نے ابن خزیمہ کی مذکور حدیث وائل کے متعلق لکھا:

’’اس سند میں مؤمل بن اسماعیل ہے جو سیئ الحفظ ہے۔ (التقریب (ص ۵۵۵) ابوزرعہ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث میں بہت غلطیاں ہیں، بخاری نے اسے منکر الحدیث اور یحی بن معین نے ثقہ کہا ہے۔ میزان الاعتدال (۲۲۸/۴) یہ سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن دوسری احادیث اس کی مؤید ہیں۔‘‘ [تخریج و تحقیق حدیث نماز: ۱۱۶]

رضاء اللہ عبد الکریم مدنی غیر مقلد [جامعہ سید نذیر حسین دہلی] لکھتے ہیں:

’’سند کو مومل کی وجہ سے ضعیف قرار دینا بھی درست نہیں کیوں کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی

ہے اور کثرتِ طرق سے یہ حدیث صحیح ہے۔‘‘ [زیر ناف ہاتھ باندھنے کا تحقیقی جائزہ: ۲۴، ناشر: ادارہ تحفظ کتاب وسنت دہلی]

رضاء اللہ صاحب نے تعدد طرق کا سہارا لیا ہے۔ اگر ان کے نزدیک مومل ثقہ ہوتا تو تعدد طرق کے سہارے کی ضرورت نہ ہوتی۔

کفایت اللہ سنابلی ہندی غیر مقلد خود اگرچہ مؤمل کو ثقہ سمجھتے ہیں مگر انہوں نے اتنا تسلیم کیا کہ شیخ البانی اور شعیب ارناؤط اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ سنابلی صاحب نے لکھا:

’’علامہ البانی رحمہ اللہ اور شیخ شعیب الارناؤط نے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق صحیح ابن خزیمہ والی حدیث کے راوی ’’مؤمل بن اسماعیل‘‘ کو بھی ضعیف کہا ہے اور وہ بھی اسی انداز میں۔ چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا: ’’مؤمل ابن اسماعیل فانه ضعیف لسوء حفظه و كثرة خطأه‘‘ (سلسلة الاحاديث الضعيفة: ۲۹۳/۲) مؤمل بن اسماعیل، یہ بُرے حافظہ اور بکثرت غلطیاں کرنے کے سبب ضعیف ہے۔‘‘ شیخ شعیب الارناؤط نے کہا: ’’وهذا اسناد ضعيف لضعف مؤمل بن اسماعيل۔‘‘ (مسند احمد (۱۶۶/۲۱) ’’اس کی سند ضعیف ہے مؤمل بن اسماعیل کے ضعیف ہونے کے سبب۔‘‘ [یزید بن معاویہ: ۲۳۹]

علی زئی کی طرف سے ’’امام المحدثین‘‘ کا لقب پانے والے ناصر الدین البانی غیر مقلد نے سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت کے متعلق لکھا:

’’اسناده ضعيف لان مؤملا وهو ابن اسماعيل سئ الحفظ، اس کی سند ضعیف ہے کیوں کہ مؤمل بن اسماعیل سیئ الحفظ ہے۔‘‘ [تعلیق ابن خزیمہ: ۲۴۳/۱ بحوالہ مکالمات نور پوری ۵۲۸]

البانی صاحب دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

’’المؤمل هذا ضعيف لسوء حفظه، یہ مؤمل اپنے بُرے حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔‘‘

[سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ: ۲۲۷/۳]

عبد الرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’سلمنا ان مؤمل بن اسماعيل ضعيف، ہم نے تسلیم کیا ہے کہ بلاشبہ مؤمل بن اسماعیل ضعیف ہے۔‘‘ [ابکار المنن: ۳۵۹]

مختار احمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’مؤمل بن اسماعيل هو البصرى صدوق سئ الحفظ، مؤمل بن اسماعیل بصری صدوق بُرے حافظہ والا ہے۔‘‘ [تحقیق وتخریج الجامع لشعب الایمان: ۴۴/۱۲]

عبدالقادر ارناؤط غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’مؤمل بن اسماعیل البصری ابو عبد الرحمن وھو سیٔ الحفظ، **مؤمل بن اسماعیل بصری ابوعبدالرحمٰن وہ بُرے حافظہ والا ہے۔**‘‘[تحقیق و تعلیق جامع الاصول فی احادیث الرسول لابن الاثیر الجزری :۲/۷۴۳]

عبدالرحمٰن معلّمی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’فقد یکون الرجل ضعیفا فی الروایۃ لکنہ صالح فی دینہ کابان بن ابی عیاش او غیو ر علی السنۃ کمؤمل بن اسماعیل، **کبھی آدمی روایت میں ضعیف ہوتا ہے لیکن دین میں صالح ہوتا ہے جیسے ابان بن عیاش یا سنت میں غیور ہوتا ہے جیسے مؤمل بن اسماعیل۔**‘‘[**التنکیل مع طلیعہ:۲/۷۲۲**]

معلّمی صاحب کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مؤمل بن اسماعیل غیور علی السنہ ہونے کے باوجود روایت میں ضعیف ہے۔

علی زئی صاحب کی زبانی معلّمی صاحب کا مقام بھی ملاحظہ فرماتے چلیں:

’’موجودہ دَور کے مشہور عالم اور ذہبی عصر علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن یحیٰ المعلمی الیمانی المکی رحمہ اللہ‘‘[توضیح الاحکام:۲/۳۲۶]

علی زئی صاحب نے توضیح الاحکام:۲/۴۲۷ پر بھی معلّمی کو ’’ذہبی عصر‘‘ کہا ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس کے استاد ثناء اللہ مدنی بن عیسیٰ خان لکھتے ہیں:

’’فی سندھا مؤمل بن اسماعیل وھو صدوق سیٔ الحفظ، **اس کی سند میں مؤمل بن اسماعیل ہے اور وہ سچا اور بُرے حافظہ والا ہے۔**‘‘[**جائزۃ الاحوذی فی التعلیقات علی سنن الترمذی:۴/۳۵۷**)

محمد علی جانباز غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’مؤمل بن اسماعیل العدوی مولاھم ابو عبد الرحمن البصری وثقہ ابن معین وقال البخاری منکرا لحدیث، مات سنۃ (۲۰۶ ھ) کذا فی الخلاصۃ وقال فی المیزان : وثقہ ابن معین وقال ابو حاتم صدوق شدید فی السنۃ کثیر الخطاء وقال البخاری : منکرا لحدیث وقال ابو زرعۃ : فی حدیثہ خطاء کثیر وذکرہ ابوداود فعظمہ ورفع من شانہ مات بمکۃ فی رمضان وقال الحافظ :صدوق سیٔ الحفظ‘‘[انجاز الحاجۃ **شرح سنن ابن ماجۃ**،رقم **۹۷ حاشیہ**]

جانباز صاحب نے مذکورہ عبارت میں مؤمل کے متعلق ’’منکر الحدیث، کثیر الخطاء، فی حدیثہ خطاء کثیر **اور** سیٔ الحفظ‘‘ **جرحی کلمات نقل کئے ہیں۔**

شیخ وصی اللہ صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’اسنادہ ضعیف لاجل مؤمل بن اسماعیل فھو صدوق سیٔ الحفظ، **اس کی سند مؤمل**

بن اسماعیل کی وجہ سے ضعیف ہے وہ سچا، بُرے حافظہ والا ہے۔'' [تحقیق وتخریج کتاب العلل ومعرفۃ الرجال: ۱/۲۷]

زکریا بن غلام قادر غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مؤمل بن اسماعیل ضعیف، مؤمل بن اسماعیل ضعیف ہے۔''

[تنقیح الکلام فی الاحادیث الضعیفۃ فی مسائل الاحکام: ۲۱۷]

تنبیہ: عبدالرحمٰن مبارک پوری سے زکریا تک کے حوالے جناب ابوحمزہ ابن ادریس صاحب کے مضمون ''مؤمل بن اسماعیل سلفی اور عرب علماء کی نظر میں'' شائع شدہ دو ماہی مجلّہ ''الاجماع شمارہ: ۵'' سے ماخوذ ہیں۔ ماشاء اللہ مضمون نگار نے اپنے اس مضمون میں مؤمل کے مجروح ہونے پر سلفیوں اور عربی علماء کے ایک سو حوالے پیش کئے ہیں۔

۵۵۷ھ

علی زئی نے ''یہ حدیث بھی دیوبندی اصول کی رُو سے صحیح ہے۔'' لکھ دیا مگر یہ پہلو تشنہ ہی چھوڑ دیا کہ وہ روایت دیوبندیوں کے ہاں کیسے صحیح ہے اگر وہ اسے بیان کردیتے تو ہم کچھ عرض کرتے۔

۵۵۸ھ

''رجالہ ثقات'' کا جواب حاشیہ: ۵۵۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۵۹ھ

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ کی پوری عبارت یہ ہے:

''رواہ الطحاوی (۱:۱۵۷) باسناد رجالہ ثقات الا مؤملا فقد تکلم فیہ ووثقہ ابن معین وغیرہ کذا فی التہذیب (۱۰/۲۸۰) فالسند حسن۔'' [اعلاء السنن: ۳/۱۱۸، ح: ۸۵۰]

اسے طحاوی نے ایسی سند سے روایت کیا جس کے راوی مؤمل کے سوا سب ثقہ ہیں۔ اس میں کلام کیا گیا اور اسے ابن معین وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے جیسا کہ تہذیب ۱۰/۲۸۰ میں ہے پس سند حسن ہے۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک مؤمل بن اسماعیل متکلم فیہ ہے۔ مگر ہم اوپر حاشیہ: ۵۵۶ میں علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کا حوالہ نقل کر چکے ہیں کہ جمہور محدثین کے نزدیک مؤمل ضعیف ہے۔ اس لئے ترجیح جمہور کی بات کو ہے۔ مزید یہ کہ مؤمل کی تضعیف کرنے والے متقدمین ہیں اور علی زئی صاحب کو اعتراف ہے کہ متقدمین کو متاخرین پر ترجیح حاصل ہے۔ [نور العینین: ۱۳۷، ط: ۲۰۱۸ء]

(جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد نعمان بن خلیل اللہ، کراچی

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کا فقہی مقام ومرتبہ!!!

اسلامی تعلیمات کے اصولی مآخذ قرآن کریم، اور حدیث شریف کو بعینہ مکمل امانت داری کے ساتھ آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا نام روایت ہے، اوران مآخذ میں سموئے ہوئے موتی، اور جواہرات کو نکالنے، مقصدِ کلام الٰہی (عزوجل)، اور مرادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کامل ادراک کوفقاہت کہتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جس طرح روایت کے باب میں سب سے اعلیٰ معیار پر قائم ہیں، اسی طرح فقاہت کے باب میں بھی ان کا کوئی مثل نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دینی، عملی، اور علمی تربیت کی، وہیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی فقہی تربیت بھی فرمائی۔

عہد رسالت میں فقہی تربیت کا نمونہ:

مرفوع حدیث کی اقسام میں ایک قسم تقریری کی ہے، اور یہ تقریر فقہی تربیت کا اہم ترین عنصر اور جزء ہے، جس کا عام فہم مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین بعض حالات میں اپنی صواب دید پر، موقع محل کے مناسب، کوئی عمل کر لیتے، پھر آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ عرض کرتے، جو عمل اسلامی روح، اور مرادِ شریعت کی عین موافق ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصویب فرماتے، سب کے سامنے حوصلہ افزائی فرماتے، اور جب اس کے خلاف کوئی عمل سامنے آتا تو برملا براءت فرمادیا کرتے تھے۔ مسبوق شخص کس طرح اپنی نماز پوری کرے گا، یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ (ت ۱۸ھ) کے عمل سے معلوم ہوا، ان کے اس اجتہادی عمل کی نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویب فرمائی، بلکہ ان کے اس عمل میں ان کی پیروی کا حکم دیا۔[1]، اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ سے میدان جنگ میں ایک نومسلم شخص قتل ہوگیا، یہ ان کا اجتہاد تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برملا ان کے اس عمل سے براءت کی، اور برملا اعلان اس لیے تھا تاکہ کوئی ان کی اس خاص عمل میں اقتداء نہ کرے۔[2]، یہ فقہی تربیت کا ایک نمونہ ہے، اور فقہی تربیت کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کچھ معاملات میں قرآن، اور شارح علیہ الصلاۃ والسلام خاموش رہیں، اور دین اسلام کے اولین علمبردار صادقین ومتقین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کسی نو وارد حادثہ، اور مسئلہ کا شکار ہوکر موجودہ ذخیرہ علم کو سامنے رکھ کر اپنے غور وفکر سے کوئی عمل کر گزریں، اور شارح

علیہ الصلاۃ والسلام اس پر خاموشی اختیار کریں، یا تصویب، اور حوصلہ افزائی فرمائیں، یا پھر اس سے روک دیں۔

دین کا ایک بڑا حصہ تقریراتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ثابت ہے، کئی عبادات و معاملات اور شرعی احکام تقریراتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں ہم تک پہنچے ہیں، اور چونکہ تقریراتِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی فقاہت وفہم شریعت کے کامل ادراک پر کھلی دلیل ہے، جس سے فقہاء صحابہ کی پیروی کرنا بھی لازم آتا ہے، تو ائمہ مجتہدین کی فقہی خدمات کو بھی خراج تحسین پیش کرنا چاہیے، اور ان کی اتباع کو اپنی نجات کا ذریعہ گردانا چاہیے کیوں کہ جس طرح روایت کے باب میں اولین سہرا اولین مخاطبین کے سر پر ہے، اور اس کے بعد یہ نصیب محدثین کرام کو حاصل ہوا ہے، اور ان کی روایت کو دینی امور میں اس طرح قبول کرنا ضروری ہے جس طرح صحابی کی روایت کو قبول کرنا ضروری ٹھہرا ہے، تو اسی طرح فقاہت واجتہاد بھی موروثی ہے، جس طرح صحابی کے اجتہاد کے اتباع کا حکم ہے، اسی طرح ائمہ مجتہدین کی فقاہت کا اتباع بھی مطلوب ہے۔

عہد صحابہ وتابعین میں فقہی تربیت کی مثال:

اگر دل میں یہ خیال گزرے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی فقاہت کی تربیت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی؛ اسی لیے ان کے اجتہاد کو قبول کیا گیا ہے، جبکہ ائمہ مجتہدین کی فقاہت تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے نہیں گزری۔

تو ہرگز اس خیال کو دل میں نہیں پنپنے دینا چاہیے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح فقہی تربیت کر کے صحابہ کو فقیہ بنایا، اسی طرح انہیں فقہی تربیت کرنے کا طریقہ بھی سکھایا ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے صغار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین کی فقہی تربیت فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنے ساتھ مشاورتی مجالس میں رکھنا، ان کی فقہی تربیت کا حصہ تھا، اسی طرح بعض تابعین نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس رہ کر فقہی تربیت پائی، جیسے سعید ابن المسیب (ت ۹۴ھ) نے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ (ت ۵۹ھ) کی خدمت میں، علقمہ رحمہ اللہ تعالی (ت ۶۲ھ) نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ (ت 32ھ) کی خدمت میں رہ کر فقاہت کا درس لیا، اور مدینہ کے فقہاء سبعہ نے بھی فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے تربیت پائی تھی، یہی سلسلہ چلتا ہوا ائمہ متبوعین تک پہنچتا ہے، جس دلیل وحکم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی فقاہت واجتہاد کا اتباع لازم ہے، اسی حکم سے ائمہ متبوعین کے اجتہاد کا اتباع ضروری ہے۔

انہی تربیت یافتہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ایک نام عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کے مختصر حالات:

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کی واقعہ فیل کے دس سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدائش ہوئی، دار ارقم کے قیام سے کچھ قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے، حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، مدینہ منورہ کے نامور تاجروں اور غنی و مالدار صحابہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپؓ نے تمام غزوات میں شرکت کی، سریہ دومۃ الجندل میں لشکر کے امیر مقرر کیے گیے، سخاوت و ضیافت میں مشہور ہیں، عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی خلافت کی سپردگی کا کام جن چھ صحابہ کے ذمہ لگایا تھا ان میں ایک نام آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا تھا، بعد ازاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کا حتمی فیصلہ آپ ہی نے کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے بعد امہات المؤمنین کی ذمہ داری آپ کے سپرد فرمائی، فقہاءِ سبعہ میں حضرت اُبوسلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ آپ ہی کے فرزند ہیں، ۳۲/ہجری میں وفات پائی۔ (3)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کی فقاہت ائمہ کے اقوال کی روشنی میں:

ابن القیم الجوزیۃ (۷۵۱ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ **"إعلام المؤقعين عن رب العالمين"** میں فرماتے ہیں کہ ۱۳۰/سے زائد صحابہ اور صحابیات رضی اللہ تعالی عنہم وعنہن سے فتاوی محفوظ کیے گئے ہیں، اور فقہاءِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے تین طبقے نقل کیے ہیں:

۱- **المکثرون من الفتیا**: جن سے بہ کثرت فتاویٰ منقول ہیں، اس طبقہ میں سات لوگوں کا شمار ہوتا ہے عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عائشہ ام المومنین، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ابن حزم رحمہ اللہ تعالی (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ ان میں ہر صحابی رضی اللہ تعالی عنہ کے فتاویٰ پر ایک ضخیم کتاب جمع کی جاسکتی ہے۔

۲- **المتوسطون فی الفتیا**: جس میں ۱۳/صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو شمار کیا گیا ہے، ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان، ام سلمہ ام المومنین، ابوھریرہ، ابوسعید الخذری، انس بن مالک، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی جابر بن عبداللہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ، ابن حزم رحمہ اللہ تعالی (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر صحابی کے فتاویٰ کو ایک مختصر رسالہ میں جمع کرنا ممکن ہے۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اسی طبقہ میں عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن سفیان اور کچھ دیگر صحابہ کا بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

۲-**المقلون من الفتیا**: جن سے بہت کم فتاویٰ منقول ہیں جن کے ناموں کی ایک طویل فہرست ہے۔[4]

علاوہ ازیں ابن سعد (ت ۳۲۰ھ) نے طبقات میں[5]، ابن الجوزی نے (ت ۵۹۷ھ) **تلقیح الفھوم** میں[6]، حافظ ابن حجر (ت ۸۵۲ھ) نے **الإصابة** میں[7]، عبدالحی الکتانی نے **التراتیب الإداریة**[8]، میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شماران صحابہ میں کیا ہے جو عہدِ رسالت میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کے فقہی استنباطات:

(1)-آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا امامت کے لیے آگے بڑھنے کا استشہاد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق:

آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی فقاہت پر سب سے بڑی، اور پہلی دلیل غزوہ تبوک کے سفر کا وہ واقعہ ہے، جس میں آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فجر کی نماز میں صحابہ کی امامت کرائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی۔[9]

اس واقعہ کی تین دفعات سے آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی فقاہت ثابت ہوتی ہے۔

ا: وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے امامت کے لیے آگے پیش ہونا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ہمراہ قافلہ سے جدا ہو کر قضاءِ حاجت کے لیے گیے ہوئے تھے، جس سے لوٹنے میں تاخیر ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے آپ کا انتظار کیا، مگر نماز کا وقت ہو جانے کی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مشورہ کیا، ایسے وقت میں یہ فیصلہ لینا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی اور امام بنے یقیناً مشکل ترین فیصلہ تھا خاص طور پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد متوقع بھی ہو، تاہم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ اپنی فقہی بصیرت کی بنیاد پر آگے بڑھے، اور امامت کرائی۔

۲: صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کا آپ کی امامت پر متفق ہونا، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اسی کی امامت پر متفق ہو سکتے تھے جو علم و عمل اور فقاہت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہوں۔

۳: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اقتداء کرنا، آپ کی امامت کو برقرار رکھنا علاوہ ازیں آپ کی تائید میں یہ جملہ فرمانا: **ما قبض نبی قط حتی یصلی خلف رجل صالح من أمته**[10]، کوئی نبی اس وقت تک دارفانی سے کوچ نہیں کرتا جب تک اپنی امت کے کسی نیک آدمی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھ لے۔

(2)-تعیین حد میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استنباط:

حدود شرعیہ وہ سرزنشیں، اور سزائیں کہلاتی ہیں جو کسی معاشرتی، اور اخلاقی و کرداری بے راہ روی کی روک تھام کے لیے شریعت کی جانب سے مقرر کی گئی ہوں، جیسے حد زنا، حد سرقہ وغیرہ، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بگاڑ کا ایک بڑا سبب شراب نوشی ہے، گو کہ زمانہ جاہلیت میں شراب بکثرت پی جاتی تھی مگر شریعت کی تدریجی تربیت کی وجہ سے اس کی شناعت دلوں میں بیٹھ گئی، تاہم پھر بھی کسی سے یہ جرم سرزد ہو جاتا تو کوئی مقرر حد نہیں تھی بلکہ حسبِ حال کسی کو چالیس کوڑے مار دیے جاتے، یا اس سے کم کوئی سزا دے دی جاتی، عہد صدیقی میں چالیس کوڑے مارے جاتے، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور اسلامی قلمرو میں فتوحات کی بنیاد پر مسلسل اضافہ ہونے لگا تو اطراف کے مسلمانوں کی شراب سے قربت بڑھ گئی، شراب نوشی کے واقعات بڑھنے لگے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلسِ مشاورت میں یہ بات رکھی، اور فرمایا ایک حد مقرر ہونی چاہیے، اب کتنی حد مقرر ہونی چاہیے؟ اس پر گفتگو جاری تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا شریعت میں مقررہ حدود میں سب سے کم حد کو مقرر کیا جائے، اور وہ ہے اسی 80 کوڑے، اسی پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فرمایا کہ شراب پینے سے فحش گوئی اور تہمتوں کا دروازہ کھلتا ہے، اور تہمت کی سزا 80 کوڑے ہیں، تو شاربِ خمر کو بھی اسی کوڑے لگائے جائیں، چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے پر اسی (۸۰) کوڑوں کا فیصلہ کیا گیا۔

اس واقعہ میں سابق الذکر دونوں حضرات کی فقہی بصیرت اور ملکہِ استنباط واستشہاد کا ظہور ہوتا ہے۔(11)

(3)-استلام رکن اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہادی عمل:

یہ بات بالکل واضح اور مسلم ہے کہ امور عبادت میں فرائض و واجبات اور سنن کی اصطلاحات عہد رسالت میں رواج پذیر نہیں تھیں، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بالخصوص فقہاء صحابہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام کو عبادات کرتے دیکھتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اور اپنی فقہی بصیرت سے اس کا درجہ متعین کر لیتے تھے، جس کی بسا اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم توثیق فرماتے اسی طرزِ عمل کی ایک عملی مثال سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ کے بیان سے ملتی ہے، موصوف صحابی جلیل فرماتے ہیں کہ جب میں بیت اللہ کے طواف سے فارغ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ استلام رکن میں آپ نے کیا عمل اختیار کیا، میں نے عرض کیا کہ کبھی استلام کیا اور کبھی چھوڑا (یعنی فرض اور واجب سمجھ کر ہمیشہ نہیں کیا بلکہ سنت و مستحب سمجھ کر کبھی استلام کیا اور کبھی ترک کیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ نے درست راہ اختیار

کی۔(12)

اس سے جہاں آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی فقاہت پر مہر نبوت ثبت ہوتی ہے، وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہی تربیت کا اسلوب وانداز بھی معلوم ہوتا ہے۔

آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی مرویات میں فقاہت کی جھلک:

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں آپ کی فقہی اور حدیثی مقام ومرتبہ کا اندازہ ان روایات سے لگایا جاسکتا ہے جو صرف آپ سے منقول ہیں، کیوں کہ عموماً ہر شخص اس فن کی احادیث کو زیادہ یاد رکھتا ہے جس کا وہ ماہر ہو، فقہاء صحابہ سے فقہی روایات ہی زیادہ تر منقول ہوتی ہیں، جیسے عام طور پر اقضیہ کی احادیث میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ، فرائض ومیراث کی روایات میں زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ اور حلال وحرام کی احادیث میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کیوں کہ وہ ان فنون کے ماہر اور خوگر تھے(13)، بطورِ مثال تین روایات پیش کی جاتی ہیں۔

۱)- مجوس سے جزیہ قبول کرنا:

مجوسیوں سے جزیہ قبول کرنے کے سلسلے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ متردد تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر خبر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا، یہ حدیث آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا موجودہ لوگوں میں کسی کے پاس نہ تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف آپ کی روایت کی وجہ سے جزیہ قبول کرنے کا فیصلہ کیا، جس سے خبر واحد کی حجیت معلوم ہوتی ہے۔(14)

۲)- وبائی علاقوں کے متعلق نبوی ہدایت:

۱۸ ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہمراہ شام کے سفر پر نکلے، مقام سرغ تک پہنچنے پر خبر ملی کہ شام میں وباء پھیلی ہوئی ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اولاً مہاجرینِ اولین سے مشاورت کی، مجلس مشاورت میں اختلاف ہوا، کوئی حتمی فیصلہ نہ ہوسکا، پھر انصار صحابہ سے مشاورت کی، اس میں بھی اختلاف ہوا، اور کسی حتمی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے، پھر آپ نے قریش کے بڑے سردار جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر ہجرت کی ان سے مسئلہ کا حل دریافت کیا، سب ایک رائے پر متفق ہوئے کہ خود کو وباء میں داخل نہیں کرنا چاہیے اور واپس لوٹ جانا بہتر ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس لوٹنے کا فیصلہ سنایا، اس پر ابُوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استفسار کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں تب آپ نے تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ: **نعم! نفر من قدر الله إلى قدر الله** . جی ہاں کہ ہم

تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔

اس تمام کارروائی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل نہ تھے، وہ کسی کام سے کہیں گئے ہوئے تھے، اچانک وہ تشریف لائے اور جب انہیں تمام ماجرے کا علم ہوا تو فرمایا ایسے موقع کے لیے تو میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: " **إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ** ." کہ جب تم کسی علاقے کے متعلق سنو کہ اس میں وبا ہے، تو وہاں داخل مت ہونا، اور اگر جہاں تم رہ رہے ہو وہاں وبا پھیل جائے، تو بھاگنے کی غرض سے نہ نکلنا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت خوش ہوئے، شکر ادا کیا اور لوٹ گئے۔ (15)

۳)-نماز میں بھول جانے کے وقت بناء کرنا:

نماز میں تعدادِ رکعات میں اشتباہ اور وہم ہونے کی وجہ سے استیناف کیا جائے یا بناء، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مسئلہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت اور نبوی رہنمائی دریافت کی، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے پاس تو کوئی حدیث نہیں، یہی گفتگو چل رہی تھی کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کا وہاں سے گزر ہوا، تو ان سے مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا، جب آپ نے مسئلہ کے متعلق سنا، تو فرمایا میرے پاس اس مشکل کا حل موجود ہے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ، فَشَكَّ فِي صَلَاتِهِ، فَإِنْ شَكَّ فِي الْوَاحِدَةِ وَالثِّنْتَيْنِ، فَلْيَجْعَلْهُمَا وَاحِدَةً، وَإِنْ شَكَّ فِي الثِّنْتَيْنِ وَالثَّلَاثِ؛ فَلْيَجْعَلْهُمَا ثِنْتَيْنِ، وَإِنْ شَكَّ فِي الثَّلَاثِ وَالْأَرْبَعِ؛ فَلْيَجْعَلْهُمَا ثَلَاثًا، حَتَّى يَكُونَ الْوَهْمُ فِي الزِّيَادَةِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، ثُمَّ يُسَلِّمُ ."جب تم نماز میں ہو اور شک ہو جائے، اگر پہلی اور دوسری رکعت میں شک ہو تو پہلی پر بنا کرے، دوسری اور تیسری میں شک ہو تو دوسری پر بنا کرے، تیسری اور چوتھی میں اختلاف ہو تیسری کو اصل بنائے اور پھر سلام سے قبل سجدہ سہو کرے، بعد ازاں سلام کرے۔ (16)

یہ تینوں روایات آپ کی فقہی بصیرت اور فقیہانہ مقام و مرتبہ کی عکاسی کرتی ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب و علمہ اکمل و اتم

محمد نعمان بن خلیل اللہ
متخصص فی علوم الحدیث
جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مصادر ومراجع

1......مسند احمد بن حنبل، مسند الأنصار، حديث معاذ بن جبل رضى الله تعالى عنه، رقم الحديث: 22033، ج:36،ص:362 مؤسسة الرسالة، 1429ھ.

2......صحيح البخارى، كِتَابُ الدِّيَاتِ 1، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: وَمَنْ أَحْيَاهَا، رقم الحديث:6478، ج:6،ص:2519،دار ابن كثير، 1410.

3......أنظر ترجمته:الطبقات لإبن سعد 3 / 124،ومعرفة الصحابة لأبى نعيم الأصبهانى 1 / 130،والاستيعاب فى معرفة الأصحاب لإبن عبد البر420، وأسد الغابة 3 / 362،والاصابة 4 / 290،، الرياض النظرة 583.

4......إعلام المؤقعين عن رب العالمين لابن القيم، الفصل من بلغ بعد الرسول، 1 / 12،دار الجيل، بيروت – لبنان .

5......الطبقات لإبن سعد باب ذكر من يفتى بالمدينة و يقتدى به، 2 / 340 بيروت، 1376 ه .

6......تلقيح فهوم اهل الأثر فى عيون التاريخ والسير لإبن الجوزى، تسمية من كان يفتى على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم من أصحابه، ص:321،شركة دار الأرقم بن أبى الأرقم، 1418.

7...... الإصابة فى تمييز الصحابة لإبن حجر،رقم ترجمة الصحابى: 5195، ج:4،ص:291،دار الكتب العلمية،1426ه.

8......التراتيب الإدارية للشيخ عبد الحى الكتانى، تحت ذكر المفتين على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، 1 / 56، دار الإحياء التراث العربى بيروت، لبنان .

9......سنن النسائى، كتاب الطهارة، صفة الوضوء،غسل الكفين رقم الحديث 82، دار المعرفة 1404ه.

10......الطبقات لابن سعد 3 / 129،بيروت، 1376 ه .

11......الصحيح لمسلم،كتاب الحدود،باب حد الخمر، رقم الحديث: 1752،ص: 821،دار التأصيل 1439 ه،والمؤطاللإمامالك،كتابالحدفيالخمر،رقمالحديث: 1825، 2 / 45،مؤسسة الرسالة 1412ه

(نوٹ صحیح مسلم کی روایت میں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ اور المؤطا کی روایت میں علی کرم اللہ وجہ کا ذکر ہے، امام نووی نے دونوں کو جمع کیا ہے ہم نے وہی اختیار کیاہے)

12......معجم الصغير للطبرانى رقم الحديث:650، 1/ 388 المكتبة الإسلامية بيروت، 1405ه .

13......التقييد والإيضاح للعراقى،نوع معرفة مختلف الحديث، ص:226،دار الكتب العلمية 1420 ه.

14......السنن لأبى داؤد، كتاب الخراج و الإمارة، باب فى اخذ الجزية من المجوس، رقم الحديث: 3039، ج:4،ص:392،مؤسسة الريان 1425ه.

15......الصحيح للبخارى،كتاب الطب، باب:مايذكر فى الطاعون، رقم الحديث: 5397،ج:5،ص:2164،دار ابن كثير، 1410.

16......مسند أحمد بن حنبل، مسند عبد الرحمن بن عوف رضى الله تعالى عنه، 3 / 194،مؤسسة الرسالة 1429ه.



حمزہ احسانی

فاضل دیوبند مولانا محمد عظیمؒ کے خانوادے کو پے در پے صدمات

مادرِ علمی دار العلوم مدنیہ بہاول پور میں قیام کے دوران جن احباب سے تعلق رہا اُن میں فاضل دیوبند تلمیذِ مدنی مولانا محمد عظیم ہالیجوی رحمہ اللہ کے پوتے اور مولانا مفتی عبد المجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کے بھتیجے: اسامہ بھائی، نعمان بھائی، عمر بھائی، حق نواز بھائی، حنظلہ بھائی، خزیمہ بھائی اور اُن کے دیگر اعزہ شعیب بھائی، عثمان بھائی اور مسعود بھائی بھی شامل ہیں۔ جنھیں مذکورہ بالا نسبتوں کے علاوہ حافظ الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی رحمہ اللہ اور خانوادۂ دین پور سے بھی خاندانی نسبت حاصل ہے۔ ایک خانوادے سے وابستہ یہ سب احباب بھی اُس وقت دار العلوم مدنیہ میں ہی زیرِ تعلیم تھے۔ جانبین کی خاندانی نسبتیں باہمی تعلق کا ذریعہ ثابت ہوئیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ اِس تعلق میں تسلسل، مضبوطی اور پھیلاؤ آتا چلا گیا، جو مولانا محمد عظیم رحمہ اللہ کے بیٹوں مولانا مفتی عبد المجید دین پوری شہید، جناب ماسٹر عبد الحمید، جناب حکیم محمد عبد اللہ اور مولانا عبد الکریم رحمہم اللہ اور اُن کی اولادوں سے تعارف کا سبب بنا۔

ماسٹر صاحب، حکیم صاحب اور مولانا عبد الکریم وغیرہ کی بندہ پر شفقتیں اور احسانات اس قدر ہیں کہ احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ خصوصاً حضرت حکیم عبد اللہ مرحوم کی ادائیں تو بھولے نہیں بھولتیں، اُن کے بعض بیٹے بھی مجھ سے بڑے ہیں، اِس کے باوجود وہ ایسی عاجزی اور عقیدت مندی کا اِظہار اور اِس قدر احترام واکرام کا معاملہ فرماتے تھے کہ بندہ شرمسار ہو جاتا تھا۔

یہی کیفیت اُن کے بڑے بھائی جناب ماسٹر عبد الحمید صاحب مرحوم کی تھی کہ ہر ملاقات میں سراپا ادب اور شفقت نظر آتے تھے۔ بڑی عمر کے مالک اور سفید ریش تھے، لیکن بندہ کی بارہا گزارش کے باوجود آمد کے وقت دروازے پر استقبال کرتے اور رخصت ہوتے وقت باہر تک ساتھ ضرور تشریف لاتے تھے۔ جب بندہ تعلیم کے لیے کراچی میں مقیم تھا تو ماسٹر صاحب مرحوم بھی وہیں ملازمت کیا کرتے تھے، گاہے گاہے اُن کی خدمت میں حاضری دیتا رہتا تھا، لیکن جلد اور مسلسل ملاقات کے باوجود اُن کے رویہ اور شفقت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہی استقبال، وہی الوداعی کیفیت، اُسی طرح دعاؤں کی عاجزانہ درخواست، اپنا اور اپنی صحت کا خیال رکھنے کی تلقین اور بھی ڈھیر ساری شفقتیں۔ متعدد امراض، بڑھاپے اور غیر معمولی تکلیف کے باوجود اُنھیں استقبال والوداع کی اِس زحمت سے روکنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

ماسٹر صاحبؒ موصوف اور حکیم عبداللہ صاحبؒ کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالکریم مرحوم کا معاملہ بھی بڑے دونوں بھائیوں سے مختلف نہیں تھا۔ ہر ملاقات پر بے پناہ خوشی کا اظہار، طرزِ تکلم میں برادرانہ پن، شفقت واُلفت کا کھلا اظہار، تحائف وہدایا کا اہتمام اور تاخیر ملاقات کا مشفقانہ شکوہ ہر مرتبہ کا معمول تھا۔

ماشاءاللہ ان حضرات کی اولادیں بھی اپنے بڑوں کا طرزِ عمل اپنائے ہوئے ہیں، حکیم صاحبؒ کے بڑے فرزند سیف اللہ بھائی لاہور تشریف آوری کے موقع پر ہمیں ہی شرفِ میزبانی بخشتے ہیں۔ تنہا تشریف لائیں یا اہل خانہ سمیت، اُن کی مستقل میزبانی کی سعادت الحمدللہ ہمیں حاصل ہے۔ اُن کے چھوٹے برادر صدیق بھائی، ان کے عم زاد (مفتی عبدالمجید شہید رحمہ اللہ کے فرزندان) اور ان کے پھوپھوزاد سہیل بھائی بھی سراپا اُلفت نظر آتے ہیں۔ برادرانہ تعلق کے ساتھ احترام واعزاز اور خلوص ومودت کے ایسے نمونے کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اللہ پاک پورے خانوادے کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور دنیا وآخرت میں خیر وعافیت، سہولت وراحت نصیب فرمائے۔ آمین

خانوادۂ عظیمی کے لیے عام الحزن:

گزشتہ سال اِس خانوادے کو پے در پے کئی صدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا محمد عظیم رحمہ اللہ کے کچھ فرزند تو چند سال قبل وفات پا گئے تھے، چنانچہ ۲۹/جولائی ۲۰۱۲ء کو مولانا محمد عظیمؒ کے فرزند حکیم عبدالجمیل زاہد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ اس کے ۶/ماہ بعد ۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء کو مولانا عظیم کے دوسرے فرزند مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت کا سانحہ پیش آ گیا۔ (حضرت مفتی صاحبؒ کی حیات وخدمات کے حوالے سے ۷۸۰/صفحات پر مشتمل مجلّہ صفدر کا ''دین پوری نمبر'' فروری ۲۰۱۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔) مفتی صاحب کی شہادت کے چار سال بعد ۸/دسمبر ۲۰۱۶ء کو ان کے بھائی میاں عبدالرحیم دین پوریؒ کا انتقال ہوا۔ اُن کے دو سال بعد ۳۱/دسمبر ۲۰۱۸ء کو دوسرے بھائی میاں عبدالرشید ناصر وفات پا گئے۔ اول الذکر دو بھائی تو چھ ماہ کے وقفے سے رخصت ہوئے، لیکن مؤخر الذکر دونوں بھائیوں کی وفات قدرے فاصلے سے ہوئی۔ مگر گزشتہ سال محض تین ماہ کی مدت میں ہی تین بھائی رخصت ہو گئے اور اُن سے ذرا پہلے دیگر اقربا کی وفات نے اس خاندان کو پے در پے صدمات سے دوچار کر دیا۔

۱۰/جولائی ۲۰۲۰ء (۱۷/ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ) بروز جمعۃ المبارک حکیم محمد عبداللہ صاحبؒ کے سسر مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ اس کے تقریباً دو ماہ بعد ۱۵/ستمبر ۲۰۲۰ء بروز پیر صبح کے وقت حکیم محمد عبداللہ مرحوم کے فرزند نسبتی مولانا محمد حنیفؒ اپنی پونے دو سالہ بیٹی کے ہمراہ سڑک حادثہ میں شہید ہو گئے۔ اس کے تقریباً ۹/ماہ بعد ۷/جون ۲۰۲۱ء کو خود حکیم عبداللہ صاحبؒ دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ حکیم عبداللہ

صاحبؒ کے انتقال کے دو ماہ بعد ۵/اگست ۲۰۲۱ء بروز جمعرات کو شیخ زید ہسپتال رحیم یار خان میں حکیم صاحب کے بڑے بھائی ماسٹر عبد الحمید صاحبؒ (ولادت: ۱۹۴۹ء) کی رحلت ہوئی۔ اور ماسٹر صاحب کی وفات کے ایک ماہ بعد ۴/ستمبر ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ سہ پہر ۳/بجے شیخ زید ہسپتال رحیم یار خان میں ہی اُن کے چھوٹے بھائی مولانا عبد الکریم صاحب کی وفات کا سانحہ پیش آگیا۔ یوں تقریباً سوا سال کی مدت میں ایک ہی خاندان کے کئی گھرانے ویران نظر آئے۔

مولانا محمد عظیمؒ: (وفات: ۱۹۷۷ء)

فرزندوں کے دینی پس منظر کی خاطر ان کے والد گرامی کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ مولانا محمد عظیم رحمہ اللہ دیوبند کے فاضل اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، مولانا خیر محمد حجازی، مولانا غلام رسول پونٹوی اور امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہم اللہ سے بھی استفادہ کیا۔ اللہ پاک نے دس بیٹے اور تین بیٹیاں عطا فرمائی تھیں۔ شیخ التفسیر مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم مولانا محمد عظیمؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’مولانا محمد عظیم صاحب رحمہ اللہ حضرت مولانا خیر محمد رحمہ اللہ [والد گرامی برادر مکرم مولانا محمد مکی حجازی مدظلہم] اور مولانا غلام رسول پونٹوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ سکول کی ٹریننگ کے دوران انہوں نے نارمل سکول گکھڑ میں امام اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے قرآن کریم کا ترجمہ بھی پڑھا تھا۔ مولانا محمد عظیم صاحب مرحوم اگرچہ سکول میں پڑھاتے تھے لیکن بہت ماہر نحوی تھے، ’’جامعہ مخزن العلوم، خان پور‘‘ کے طلباء آپ سے استفادہ کے لیے آپؒ کی مسجد میں جایا کرتے تھے، اور نحو میں اگر کوئی طالب اپنے مدرسہ کے استاذ سے مطمئن نہ ہو پاتا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور تسلی بخش جواب پاتا تھا۔‘‘ [مجلّہ صفدر دین پوری نمبر: ۴۷]

اور مولانا عبد الکریم رحمہ اللہ اپنے والد گرامی کے متعلق لکھتے ہیں:

’’والد صاحب نے بھی بڑی عمر میں حفظ کیا تھا۔‘‘ [ایضاً: ۱۱۹]

مولانا مفتی شعیب عالم [مدرس و مفتی: جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی] لکھتے ہیں:

’’حضرت مفتی [عبد المجید شہید] صاحب کی جامعہ میں پہلی اور دوسری تقرری کے درمیان تقریباً بیس سال کا وقفہ ہے۔ یہ تعطل اور انقطاع اس وجہ سے پیدا ہوا کہ جامعہ میں تقرری کے پہلے سال ہی آپ کے والد ماجد مولانا محمد عظیم کی وفات کا حادثۂ فاجعہ پیش آیا اور آپ اپنے آبائی وطن خان پور تشریف لے گئے۔

آپ کے والد بزرگوار دیوبند کے فاضل، حضرت مدنی کے شاگرد، پارسا و باکردار اور تہجد گذار عالم تھے۔ طلباء کو حصول علم کے لیے دیوبند بھیجتے تھے اور ان کے اخراجات اور ضروریات کی کفالت فرماتے تھے۔ مولانا محمد عظیمؒ کی وہ مراسلت و مکاتبت جو طلب اصلاح کے سلسلے میں انہوں نے اکابر سے کی ہے،

ان کے صاحبزادے اور مفتی صاحب شہیدؒ کے برادر صغیر مولانا عبدالکریم کے پاس محفوظ ہے۔ مولانا عبدالکریم صاحب ان طلبا کے نام بھی گنواتے ہیں جنہیں ان کے والد ماجد نے حصول علم کے لیے دیوبند بھیجا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کے آباء واجداد، حجاز سے ہجرت کر کے ان دیار میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور مولانا محمد عظیمؒ فراغت کے بعد طریقت وسلوک کے سلسلے میں حضرت مولانا عبدالہادی رحمہ اللہ کے پاس دین پور شریف حاضر ہوئے۔ ان کے صلاح وتقوی کو دیکھ کر مولانا عبدالمنان رحمہ اللہ نے انہیں شرف دامادی بخش دیا تھا۔

سلسلہ نسب ''عبدالمجید بن محمد عظیم بن غلام رسول بن خیر محمد'' ہے اور آپ ذات کے ''آرائیں'' ہیں۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد عظیمؒ ایک نیک فطرت اور عظیم خصلت عالم دین تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ ان کا خمیر ہی مقدس اور پاک سرزمین سے لیا گیا تھا۔

انسان کی خاک وہاں پہنچتی ہے جہاں کا خمیر ہوتا ہے۔ مولانا محمد عظیم فریضہ حج کی تکمیل کے بعد جب وطن لوٹنے کے ارادے سے جدہ پہنچے تو جہاز کی روانگی میں ابھی ایک دن کی تاخیر تھی۔ حرم کے پہلو میں ہوتے ہوئے حرم سے دوری اس عاشق صادق سے گوارا نہ ہوئی اور تاخیر کو غنیمت جانتے ہوئے یوں دیوانہ وار حرم کی طرف دوڑے جیسے بچہ ماں کی طرف دوڑتا ہے۔ جہاز کی تاخیر محض ایک اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ آنکھوں سے مخفی قضاوقدر کے فیصلے اپنا کام کر رہے تھے۔ قضاء الٰہی آپ کو حرم کی آغوش سے نکلنے نہیں دے رہی تھی کیوں کہ مشتِ خاک کو وہیں آسودہ خاک ہونا تھا۔ مولانا محمد عظیمؒ کی یہ دو دعائیں تو خلعت قبول سے حاصل کر چکی تھیں: ''یا اللہ! نیک بیوی اور صالح اولاد نصیب فرما۔ ان کی تیسری دعا کہ ''یا اللہ! حرم پاک میں موت عطا فرما'' اس ذات کے لیے قبول کرنا کیا مشکل تھی۔ چنانچہ موت نے سفر کا رخ تبدیل کر دیا اور سوئے حرم چلنے والا مسافر رب حرم کی بارگاہ میں پہنچ گیا اور وہیں جنت المعلی میں اولیاء اور صحابہ کے پہلو میں اور پاک مٹی میں آسودہ خاک ہوا۔ **رحمہ اللہ وارضاہ۔**

مولانا محمد عظیم نے یہاں تنگ وتاریک اور کچی اینٹوں کے مکان میں عسرت اور تنگی کی زندگی گزاری تاکہ اُس جہاں میں ان کا قیام محلات اور قصور میں ہو۔ چوک رازی خان پور میں ''مدنی مسجد'' کی تعمیر اسی نیت اور جذبے سے انہوں نے کی تھی۔ وہ مسجد جس کے متعلق ان کی سینہ بہ سینہ وصیت منتقل چلی آ رہی ہے کہ: ''مسجد کو ذریعۂ معاش نہیں بنانا۔'' [ایضاً: ۲۱۸، ۲۱۹]

مولانا عبدالحنانؒ: (۱۹۲۸ء......۲۰۲۰ء)

مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ کوٹ مٹھن ضلع راجن پور کے رہائشی تھے۔ جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے دورۂ حدیث کیا۔ تبلیغی جماعت سے خوب تعلق تھا۔ نیکی اور دیانت میں اپنی مثال آپ تھے۔ مولانا محمد

عظیم رحمہ اللہ کی طرح آپ کا رشتہ ازدواج بھی خانوادۂ دین پور میں محض نیکی وتقویٰ کی بنیاد پر ہوا۔ ایک مسجد میں پنج وقتہ نمازوں کی امامت کی ذمہ داری بھی نبھاتے رہے۔ کاروبار بھی کیا۔ آخر میں جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دفتر میں محاسب رہے۔ ایک سال جامعہ مخزن العلوم خان پور والوں کے اصرار پر اُن کے ہاں بھی خدمت انجام دی، جس کے لیے جامعہ بنوری ٹاؤن کی انتظامیہ نے مستقل اجازت دینے کے بجائے عارضی رخصت منظور کی۔ چنانچہ سال بعد پھر جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن ہی چلے گئے اور آخر تک وہاں رہے۔ مورخہ ۱۰/ جولائی ۲۰۲۰ء (۱۷/ ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ) بروز جمعۃ المبارک کو وفات پائی۔

مولانا محمد حنیفؒ: (۱۹۸۲ء۔ ۲۰۲۰ء)

مولانا حنیف صاحب ماشاء اللہ حافظ قرآن، عالم دین، جامعہ مخزن العلوم خان پور کٹورہ کے فاضل تھے۔ کئی بار خان پور میں اُن سے ملاقات ہوئی، ایک بار اپنے بچے کے علاج کے سلسلہ اہل خانہ سمیت ہمارے ہاں لاہور بھی تشریف لائے۔ بہت بااخلاق وملنسار انسان تھے۔ اُنھوں نے ۲۰۰۳ء میں جامعہ مخزن العلوم خان پور سے دورۂ حدیث کیا، پھر بہاول پور میں اسلامیہ یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کی سند حاصل کی، اِس دوران جامعہ قدسیہ بہاول پور میں تدریس اور ایک جگہ امامت کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ ۲۰۰۸ء میں ایک سال رحیم یار خان شہر میں سرکاری ٹیچر بھی رہے۔ شجاع آباد ضلع ملتان کے ایک مدرسہ اور اپنے مادرِ علمی جامعہ مخزن العلوم خان پور میں بھی تدریس کی۔ باغ والی مسجد، صدیقیہ مسجد اور رحمۃ للعالمین مسجد خان پور میں مختلف اوقات میں امامت وخطابت کرتے رہے۔ آئی ایم ایل کالج اور نکاس کالج میں لیکچرر بھی تھے۔ ۱۵/ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز پیر اپنے اہل خانہ اور ایک دوست کے ہمراہ کراچی سے واپسی پر سڑک حادثہ میں کمسن بچی سمیت انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حکیم محمد عبد اللہؒ: (۱۹۵۸ء۔ ۲۰۲۱ء)

مولانا محمد عظیمؒ کے پانچویں فرزند حکیم محمد عبداللہ صاحبؒ ۱۹۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی تیرہ سال کی عمر تھی کہ ۱۹۷۱ء میں والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ والد محترم اور بڑے بھائیوں کے سائے میں تعلیمی سفر شروع کیا۔ مشہور خطیب مولانا عبدالکریم ندیم مدظلہ فرماتے ہیں کہ: ’’ہم نے ایک ساتھ مدرسہ میں وقت گزارا ہے۔‘‘ خانقاہ عالیہ دین پوری شریف اور جامعہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر میں کنز الدقائق اور کافیہ تک کتب پڑھیں۔ اس کے بعد تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ البتہ بعد میں تبلیغی مرکز خان پور میں تبرکاً مشکوۃ شریف پڑھی۔ آپ کے والد محترم کا دواخانہ تھا اور وہ طب وحکمت کا کام کرتے تھے۔ چنانچہ آپ بھی اُن کے ساتھ اِس کام میں لگ گئے۔ اور زندگی بھر پنسار کے کام سے خصوصی شغف رہا۔

مولانا عبدالحنانؒ صاحب کی صاحبزادی سے غالباً ۱۹۷۵ء میں آپ کا نکاح ہوا۔اللہ پاک نے چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطافرمائیں۔دو بیٹیاں وفات پاگئیں۔تین بیٹیاں اور چار بیٹے الحمدللہ حیات ہیں۔بڑے بیٹے مولانا سیف اللہ صاحب جامعہ عمر بن خطاب ملتان کے فاضل ہیں۔دوسرے بیٹے مولانا محمد صدیق جامعہ مخزن العلوم خان پور میں مدرس ہیں۔باقی دونوں بیٹے حق نواز اور محمد عمر بھی درجہ ثانیہ تک دینی تعلیم حاصل کرچکے ہیں۔حق نواز حافظ قرآن بھی ہے۔

۱۹۷۷ء میں والد محترم کا انتقال ہوگیا تو آپ نے اُن کی دوکان سنبھال لی۔۱۹۸۲ء،۱۹۸۳ء میں کسب معاش کے سلسلہ میں دواڑھائی سال سعودی عرب میں بھی گزارے۔اِس طرح دو حج بھی نصیب ہوگئے۔پھر ۲۰۰۳ء،۲۰۰۷ اور ۲۰۰۸ء میں تین عمرے کیے۔ایک عمرے کا حال یوں بیان فرمایا:

’’عمرے کا ایک سفر مَیں نے حضرت [مفتی عبدالمجید دین پوری شہید] رحمہ اللہ کی معیت میں کیا۔صحیح معنوں میں عمرہ وہی تھا۔وہ میری زندگی کا یادگار ترین سفر تھا۔آپؒ نے ہر موڑ پر بھرپور راہ نمائی فرمائی،تمام افعال وارکان انتہائی توجہ سے سنت کے مطابق ادا ہوئے۔اس کے بعد اب تک دو عمروں کی سعادت حاصل کرچکا ہوں،لیکن وہ لطف وسرور اور وہ اہتمام نصیب نہیں ہوا۔

سفرِ عمرہ میں آپؒ کی اہلیہ،سسر صاحب،ساس صاحبہ،خالہ وغیرہ ہمراہ تھے،خالہ کو میں طواف کراتا۔باقی مستورات اکٹھی حرم میں رہتیں،آپؒ اُن کو حرم شریف میں چھوڑ کر وقت پوچھتے اور الگ ہوجاتے۔زیادہ تر وقت طواف میں گزرتا یا پھر تلاوتِ قرآن میں مشغول دکھائی دیتے تھے۔‘‘[ایضاً:۱۱۲]

۱۹۷۷ء میں والد محترم کا انتقال ہوا تو ابھی تین بھائی اور دو بہنیں غیر شادی شدہ تھیں۔آپ نے اپنے دیگر بڑے بھائیوں کے ساتھ مل کر یہ ذمہ داری بھی بحمداللہ بحسن وخوبی نبھائی،بلکہ بھائیوں کی تعلیم وتربیت اور فراغت کے بعد کاروبار کے چلنے تک مکمل ساتھ دیا۔یوں چھوٹے بھائیوں کے لیے والد کے سایہ کے قائم مقام بھی ٹھہرے۔

۱۹۸۰ء میں تبلیغی جماعت کے ساتھ چار ماہ بھی لگائے۔اہل حق کی تمام جماعتوں کے ساتھ لگاؤ تھا۔تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی تعلق رہا۔شبِ جمعہ کے بیان میں ضرور شرکت فرماتے،اپنی اولاد کو بھی اس بیان میں شریک کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

مسلم دواخانہ کے نام سے پنسار کی دوکان تھی۔دوکان کے سامان کے سلسلہ میں خوب احتیاط فرماتے تھے اور کسی قادیانی سے دوکان کا سامان بالکل نہیں خریدتے تھے۔اِسی طرح ایک گاہک سودا سلف لے جایا کرتا تھا،وہ قادیانی تھا،لیکن حکیم صاحب کو معلوم نہیں تھا۔جب معلوم ہوا تو فوراً اس سے قطع تعلق

کر لیا۔ علماء و طلبہ سے بہت محبت تھی۔ اگر وہ دوکان پر سودا لینے آتے تو اُن کے ساتھ خصوصی رعایت فرماتے۔ والد صاحب کے ساتھ حکمت کے کام میں وابستہ رہ کر کافی تجربہ ہو چکا تھا۔ اِس لیے چھوٹے موٹے مرض کی دوا وغیرہ بھی دے دیا کرتے تھے۔ لیکن جب بھی مریضوں کو دوا دیتے ایک تو اُن کی صحت یابی کے لیے نفل حاجت اور دعا ضرور فرماتے تھے۔ دوسرا اُن سے جو رقم دوا کی مد میں لیتے اُس کا کچھ حصہ اِس نیت سے صدقہ کر دیتے تھے کہ اللہ پاک اِس کی برکت سے انھیں شفایاب فرما دے۔

طلبہ و علماء کے بہت قدردان تھے۔ ایک مرتبہ آپ کا اپنا نواسہ حسن معاویہ دینی تعلیم کے سلسلہ میں کراچی کے ایک مدرسہ میں داخلہ کے لیے جا رہا تھا، اُس کا گھر حکیم صاحب کے گھر سے قدرے فاصلے پر تھا، جب وہ جانے لگا تو حکیم صاحب تکلیف اور بیماری کی شدت کے باوجود الوداعی ملاقات کرنے خود اُس کے ہاں گئے، حکیم صاحب کے بیٹوں نے عرض کیا کہ اُسے یہاں لے آتے ہیں تو فرمایا کہ: نہیں! علم دین حاصل کرنے وہ جا رہا ہے، میں نہیں، لہٰذا مجھے ہی اُس کے پاس جانا چاہیے۔ چنانچہ وہاں تشریف لے گئے۔ حسن معاویہ وغیرہ کی رہائش دوسری منزل پر ہے، حکیم صاحب سیڑھیاں چڑھنے سے عاجز تھے، لہٰذا گھر کے قریب مسجد میں ملاقات ہوئی۔ جب مسجد میں پہنچے تو امام مسجد جو حکیم صاحب کے بیٹے سے بھی کم عمر ہیں، حکیم صاحب کو دیکھ کر اُٹھنے لگے تو حکیم اُنھیں اُٹھتا دیکھ کر فوراً اپنی جگہ پر رُک گئے اور انھیں اُٹھنے سے منع کر دیا اور تاکیداً کہا کہ آپ بالکل نہ اُٹھیں۔ چنانچہ بادل نخواستہ وہ تشریف فرما رہے۔

حکیم صاحب مطالعہ کے بہت شوقین تھے۔ بندہ نے اپنے نانا جی مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے واقعات پر مشتمل کتاب ''حسین یادیں'' پیش کی تو غالباً بالاستیعاب مطالعہ فرمایا۔ بعد میں ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ: شیعوں کے حوالے سے آپ کے نانا جی کا نظریہ بالکل ٹھیک ہے۔ وہ اِس حوالے سے کسی لچک کے روادار نہیں ہیں۔ میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ مودودی صاحب کی گستاخانہ تحریرات پر حکیم صاحب کو بہت طیش آتا تھا، ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ: ''اگر میں مفتی ہوتا تو اِس کے کفر کا فتویٰ دیتا۔'' بندہ نے اُن سے تو عرض نہیں کیا، لیکن دِل میں سوچا کہ: اگر مفتی ہوتے تو یقیناً ضال و مضل ہونے کا ہی فتویٰ دیتے جو اکابر اہل سنت دیوبند نے دیا۔ کیونکہ فتویٰ جذبات کی بنا پر نہیں شرعی قواعد کی بنا پر دیا جاتا ہے۔

مجلّہ صفدر کے ''دین پوری نمبر'' کے اصل محرک آپؒ ہی تھے۔ اس خاص نمبر میں ادارے کے ساتھ ہر قسم کا تعاون فرمایا، اپنے خرچ پر اس کے اعلانات شائع کرائے۔ اشاعت کے بعد ادارے کی طرف سے جو نسخے مضامین نگاروں اور دیگر حضرات کو ہدیتاً پیش کیے گئے تھے، اُن کی قیمت بھی ادارے کو اپنی طرف سے جمع کرائی۔ پھر خاص نمبر کی ترسیل کے حوالے سے بھی مسلسل فکر مند رہے، بڑی تعداد میں نسخے خود ہی خرید لیے۔

اور جو نسخے دیگر مکتبوں وغیرہ پر رکھوائے، اُن کی رقم کے حصول کے لیے مسلسل فکر مند رہے اور پوچھتے رہے کہ رقم مل گئی یا نہیں۔ حتی کہ ایک مرتبہ پوچھا کہ فلاں دوکان دار کے پاس آپ نے جو نسخے رکھوائے ہیں، اُس کے پیسے اُس نے آپ کو دے دیئے؟ میں نے عرض کیا کہ جیسے جیسے فروخت ہو رہے ہیں، وہ ساتھ ساتھ دے رہا ہے۔ کہنے لگے: اُسے چاہیے کہ آپ کو وہ ساری رقم پیشگی ہی دے دے، بے شک نسخے بعد میں فروخت ہوتے رہیں! میں نے عرض کیا کہ: ایسی بھی کوئی جلدی نہیں۔ آپ اطمینان رکھیں، وہ پوری رقم ادا کر دے گا، اِن شاء اللہ۔ لیکن اِس پر بھی آپ کی تسلی نہ ہوئی تو اپنے طور پر ہی اُس دوکان دار کو کہلوا بھیجا کہ اِن کی رقم جلدی ادا کرو۔ ''دین پوری نمبر'' کی اشاعت پر ادارہ ''صفدر'' کو آخر تک اپنا محسن گردانتے رہے۔ اللہ پاک اُن کے اخلاص وشفقتوں کو قبول فرمائیں اور اُنھیں جنت الفردوس میں بلند وبالا مقام عطا فرمائیں۔ آمین

دین پور شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا میاں مسعود احمد مدظلہم سے اصلاحی تعلق تھا۔ گاہے گاہے وہاں حاضری بھی دیتے رہتے تھے۔

سخاوت و دریا دلی ماشاء اللہ خوب تھی، گرمیوں میں اپنا تیار کردہ دو قسم کا شربت بندہ کو ضرور عنایت فرماتے، سردیوں میں شہد ہدیہ فرماتے۔ اِسی طرح خمیرہ گاؤزبان یا دماغی طاقت کی کوئی اور دوا وغیرہ بھی ہدیہ فرماتے رہتے تھے۔ میں حاضر خدمت ہوتا تب بھی ہدیہ دینے کا معمول تھا، اُن کے بچوں کا ہمارے ہاں آنا ہوتا تو اُن کے ہاتھ بھی کچھ نہ کچھ ضرور بھجوا دیتے۔

سادگی، بے نفسی، بے تکلفی اور قناعت پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ بندہ بلا اطلاع رات کو دیر سے اُن کے گھر پہنچا تو ایک گلاس دودھ اور ایک پلیٹ اُبلے ہوئے چاول پیش کر کے بے تکلف فرما دیا کہ: اِس وقت گھر میں یہی ہے۔ اِس پر بندہ کو بہت خوشی ہوئی۔ ایک مرتبہ رمضان میں بندہ کراچی سے بذریعہ بس پنجاب کی طرف آتے ہوئے جب خان پور پہنچا تو سحری کا وقت ہو گیا، اذانِ فجر میں شاید ۲۰، ۲۵/منٹ باقی تھے، زوردار بارش بھی تھی، مجھے خطرہ ہوا کہ جب تک گاڑی والا کسی ہوٹل پر رُکے گا، تب تک سحری کا وقت ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا خان پور میں ہی گاڑی سے اُتر گیا اور بھاگم بھاگ بارش میں بھیگتا حکیم صاحب کے گھر جا پہنچا۔ پہنچ کر گھنٹی بجائی تو معلوم ہوا کہ سب اہلِ خانہ سو رہے تھے، میرے گھنٹی بجانے پر ہی اُٹھے، اُس وقت شاید اذانِ فجر میں شاید ۱۵/منٹ باقی تھے۔

ایک مرتبہ میں نے گزارش کی میں اپنے مرشد گرامی کی خدمت میں سندھ جا رہا ہوں، آپ اپنے بچوں کو بھی میرے ساتھ جانے کی اجازت دیدیں، تو فرمایا: بالکل، لیکن وہاں سے کچھ اثر لے کر آئیں، ایسے خالی ہاتھ نہ آجائیں۔ عمل میں ترقی دکھائی دینی چاہیے۔ میں نے عرض کیا کہ: اہل اللہ کی خدمت میں آنا جانا

رکھیں گے تو ان شاء اللہ عمل میں ترقی بھی آجائے گی۔ چنانچہ پھر اجازت مرحمت فرمادی۔

حکیم صاحب بہت رقیق القلب تھے، معمولی بات پر پھوٹ پھوٹ کے رودیتے تھے۔ بچوں کی دینی تعلیم کے حوالے سے فکر مندی اُنھیں اکثر آبدیدہ کردیتی تھی اور زاروقطار روتے ہوئے یہ کہنے لگتے کہ شاید میری کسی کوتاہی کا نتیجہ ہے کہ چھوٹے دونوں بیٹے درسِ نظامی مکمل نہ کرسکے۔

گزشتہ چند سال سے مختلف امراض نے گھیر رکھا تھا۔ خون کا دباؤ (بلڈ پریشر) غیر متعدل رہنے لگا، گھٹنوں کی تکلیف مسلسل شروع ہوگئی، آخری دو سال مرگی کی تکلیف بھی رہی۔ اِن تکالیف و بیماریوں کے باوجود جذبہ جواں رہا۔ ۷/جون ۲۰۲۱ء منگل بوقت عصر اپنی جان مالک حقیقی کے سپرد کرکے دنیا کی تکالیف سے خلاصی پائی۔ اللہ رب العزت اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ اگلے روز ۸/جون ۲۰۲۱ء بدھ صبح تقریباً ساڑھے ۸/بجے تبلیغی مرکز خان پور میں صاحبزادہ مولانا فضل الرحمٰن درخواستی مدظلہ نے جنازہ پڑھایا۔ اور دین پور کے تاریخی قبرستان کے جدید احاطہ میں تدفین عمل میں آئی۔

حکیم محمد عبداللہ مرحوم کے مذکورہ بالا بعض حالات کے لیے اُن کے فرزندان مولانا سیف اللہ اور عمر بھائی سے معلومات لی گئی ہیں۔ اُن کے دوسرے فرزندان صدیق بھائی اور حق نواز بھائی نے بھی کچھ حالات سنائے ہیں، ذیل میں وہ پیش کیے جاتے ہیں۔

تاثرات، حافظ حق نواز:

والد صاحب کو جنون کی حدتک شوق تھا کہ اپنی ساری اولاد کو حافظ قرآن اور عالم دین بنائیں۔ علم دین کے حصول کے لیے اُنھیں ہر قسم کی قربانی دینا بخوشی منظور تھا۔ میرا لگاؤ پڑھائی کی طرف نہیں تھا، لہٰذا میں مختلف حیلوں بہانوں سے جان بچانے کی کوشش کرتا، نت نئے مطالبے کرتا، لیکن والد صاحب ہر مطالبہ پورا کرکے میرے بہانے ختم کردیتے۔ بہت ہی مشکلوں سے اُنھوں نے مجھے حفظ کرایا۔ نجانے کتنے مدارس تبدیل کیے۔ میں مدرسہ سے بھاگ جاتا، جب ہاتھ آتا تو پھر مدرسہ میں داخل کرادیتے۔ بالآخر اُنھوں نے عمرے کا کہا کہ: حفظ مکمل کرلو تو عمرہ کراؤں گا۔ پھر حفظ مکمل ہونے عمرہ بھی کرایا۔ سب بھائیوں میں سے واحد مجھے عمرے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ میرے نانا جی نے مجھے فرمایا کہ: ”جس قدر تم اپنے ابو کو تنگ کرتے ہو، اگر حکیم عبداللہ کی جگہ تمہارا والد کوئی اور ہوتا تو آج تم گدھا ریڑھی چلا رہے ہوتے۔ یہ اُنھی کا شوق اور حوصلہ ہے کہ تمہارے اِس رویے کے باوجود تمہیں اِس طرف لگا رکھا ہے۔“

جب میں حفظ کررہا تھا تو والد صاحب مجھے سائیکل پر مدرسہ پہنچانے جاتے تھے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ جاتے جاتے راستے میں ایک دم بریک لگادی جیسے کوئی غیر معمولی صورتِ حال پیش آگئی ہو، اور انتہائی

جلدی میں مجھے سائیکل سے اترنے کا کہا اور میرے اُترتے ہی سائیکل کھڑی کر کے فوراً ایک جانب کو لپکے، پھر معلوم ہوا کہ کاغذ کا کوئی ٹکڑا زمین پر گرا ہوا تھا، جس پر مقدس نام وغیرہ کا امکان تھا، وہ اُٹھانے کے لیے رُکے تھے۔ ابتدا میں تو خود ہی آگے بڑھ کر اُٹھا لیتے تھے، پھر میری تربیت کی خاطر مجھے کہنے لگے، سائیکل روک کر مجھے فرماتے کہ وہ کاغذ کا ٹکڑا ہے، وہ اُٹھا لو۔

جب نماز کے لیے مسجد جاتے تو ہمیں بھی ساتھ لے جاتے، بعض اوقات کسی دینی تنظیم وغیرہ کے چندہ کے سلسلہ میں مسجد میں اپیل کی جاتی تو والد صاحب خود رقم دینے کے بجائے ہمارے ہاتھ میں رقم پکڑاتے کہ دے کر آؤ۔ پھر بعد میں سمجھا بھی دیتے کہ تمہارے ہاتھ سے اِس لیے دلواتا ہوں کہ تمہیں بھی خرچ کرنے کی عادت ہو۔

والد صاحب کی وفات سے کچھ عرصہ قبل میں نے پودوں کی نرسری کا کام شروع کیا، رمضان المبارک میں ایک دن ہمیں کہیں سے گراسی لان وغیرہ بنانے کا کام ملا۔ چنانچہ میں صبح صبح گھر سے نکل گیا۔ ۹، ۱۰ بجے کچھ سامان اُٹھانے کے لیے گھر آیا تو والد صاحبؒ نے مجھے فرمایا کہ اَب لیٹ جاؤ۔ گرمی بھی ہے، روزہ بھی، لہٰذا آرام کرو۔ تو میں نے عرض کیا کہ کام مکمل کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے، اِس لیے جانا ہے، چنانچہ میں چلا گیا۔ شام کو واپس آیا تو مجھے والدہ سے معلوم ہوا کہ میرے جاتے ہی والد صاحب نے فوراً ٹھنڈائی (سردائی) کا سامان منگوایا اور طبیعت کی خرابی کے باوجود خود تیار کی۔ اور میرے بارے میں فرمایا کہ گرمی میں بے چارہ کام میں لگا ہوا ہے۔ اَب اُن کی شفقتوں کی یادیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ والدین جیسا پیار اولاد کو کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ اللہ پاک اُن کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین

تاثرات، مولانا صدیق حسن:

میں والد صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کے صرف ایک پہلو سے متعلق کچھ معروضات پیش کرتا ہوں، ہمارے والد صاحبؒ ایک ''علم دوست'' انسان تھے۔ کتابوں سے بہت محبت تھی، خوب مطالعہ فرماتے تھے، میرے بچپن کی بات ہے کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ دن بھر کی مصروفیات کے باوجود ''یہ تیرے پراسرار بندے'' جیسی ضخیم کتاب دو تین دن میں مکمل کر لی۔ اپنی دوکان پر بھی ایک دو کتابیں ساتھ رکھتے تھے، جیسے ہی کچھ وقت ملا، مطالعہ کر لیا۔ سفر میں بھی کم وزن اور ہلکے پھلکے موضوع کی دو ایسی کتابیں ساتھ رکھتے تھے جن کا اُٹھانا، رکھنا اور سنبھالنا آسان ہو۔

خان پور کٹورہ میں ابتدا میں ''رعایتی کتب خانہ'' کے نام سے ایک ہی کتب خانہ ہوتا تھا، جو حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے متبنّٰی سید حسین شاہ صاحب کا تھا۔ اور جامعہ مخزن العلوم میں ہی واقع تھا۔ والد صاحب

جمعہ کو سائیکل پر وہاں جاتے، ہمیں بھی ساتھ لے جاتے، جا کر شاہ صاحب سے پوچھتے کہ: کوئی نئی کتاب آئی ہے؟ اگر آئی ہوتی تو وہ بتاتے، پھر والد صاحب وہ کتاب دیکھتے، خریدنی ہوتی تو خرید لیتے۔ گھر آ کر اسے دیکھتے، فہرست پڑھتے، خاص خاص مقامات پڑھتے، اگر بہت اچھی کتاب ہوتی تو مکمل بھی پڑھ لیتے تھے۔

کتب خانہ والے شاہ صاحب کو بھی والد صاحب کے ذوق مطالعہ کا علم تھا، لہٰذا اگر کسی جمعہ کو والد صاحب وہاں نہ جاسکتے اور کتب خانہ پر کوئی نئی کتاب آئی ہوئی ہوتی تو شاہ صاحب سائیکل پکڑتے اور کتاب لے کر والد صاحب کے پاس پہنچ جاتے کہ حکیم صاحب! یہ نئی کتاب آئی ہے۔ والد صاحب وہ کتاب دیکھتے، اور اگر مناسب سمجھتے تو خرید لیتے تھے۔ جب کراچی تشریف لے جاتے تو بنوری ٹاؤن کے کتب خانوں کا چکر ضرور لگاتے، وہاں کتابیں دیکھتے' خریدتے گھنٹوں گزر جاتے، اور وقت کا احساس ہی نہ ہوتا تھا۔ پھر کارٹنوں کے کارٹن بھر کر خان پور لاتے۔

بلا تفریق اپنے سب بچوں میں بھی مطالعہ کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ کبھی کہانی سنا کر، کبھی کسی کہانی یا مضمون کی عمدگی کی طرف توجہ دلا کر، کبھی پوچھ کر فلاں مضمون کس کس نے پڑھ لیا؟ یا تم نے فلاں کالم پڑھ لیا یا نہیں؟ اس قسم کی باتیں کر کے مطالعہ کا شوق وحرص پیدا کر دیتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جیسے چائے خانوں پر لوگ سیاسی تبصرے کرتے ہیں اِس طرح ہمارے گھر میں کتب، رسائل، کہانیوں اور مضامین پر تبصرے ہوا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ''بچوں کا اسلام'' آنے سے پہلے ہی ہماری لڑائی شروع ہو جاتی تھی کہ پہلے کون پڑھے گا؟ والد صاحب مطالعہ کا یہ شوق دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور پھر خود ہی لڑائی کا حل نکال دیتے کہ پچھلی بار پہلے فلاں نے پڑھا تھا، اِس مرتبہ پہلے فلاں پڑھے گا۔ یا جس کے ہاتھ میں پہلے آ گیا وہ پہلے پڑھے گا۔ یا ایک لے لے اور کہانی پڑھ کر سب کو سنا دے۔

والد صاحب کی اِسی محنت کی بدولت ہماری وہ بھانجیاں جن کے گھر میں مطالعہ کا ماحول بالکل نہیں تھا، وہ بھی مطالعہ کی شوقین بن گئیں، اور جب کالج کے امتحانات میں اُن کے اُردو کے پرچے چیک ہوئے تو اُن کی استانی نے اُن سے پوچھا کہ آپ نے اتنی اچھی اُردو کہاں سے سیکھی ہے؟ اُنہوں نے بتایا کہ ہمارے نانا ابو کی لائبریری ہے۔ اُس میں اتنی کتابیں ہیں۔ وہاں سے سیکھی ہے۔ وہ بھی حیران ہوئے کہ خان پور جیسے چھوٹے شہر میں کسی کی اتنی بڑی ذاتی لائبریری بھی ہے۔ ہماری لائبریری کوئی اتنی بڑی نہیں، لیکن ہمارے شہر کے لحاظ سے بڑی ہی سمجھی جاتی ہے۔

جب میں تعلیم کے سلسلہ میں کراچی گیا تو والد صاحب نے مجھے کتب خریدنے کا ڈھنگ سکھایا کہ جو بھی کتاب خریدنی ہو پہلے یہ دیکھو کہ لکھنے والا کون ہے؟ مستند شخصیات کی کتب ہی لیا کرو۔ پھر فہرست پڑھو، شروع میں کسی کی تقریظ ہو تو وہ دیکھو۔ اِس طرح تمہیں کتاب کے بارے میں کچھ اندازہ ہو جائے گا کہ یہ

خریدنی چاہیے یا نہیں، دیکھ بھال کر کتاب خریدا کرو، بہت سی کتب ایسی ہوتی ہیں کہ سرورق تو بہت شاندار ہوتا ہے، لیکن اندر کوئی کام کی بات نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ میں کچھ کتابیں لایا تو والد صاحب نے وہ متعدد مقامات سے دیکھیں، پھر مجھ سے فرمایا کہ یہ دیکھو! یہ کتابیں آپ لائے ہیں، لیکن اِن میں یہ یہ (تقریباً آدھی کتب کا فرمایا) بالکل کام کی نہیں۔ پھر سمجھایا۔ گویا مسلسل تربیت سے اِس بات کا شعور پیدا کیا کہ کتابوں سے محبت ہونی چاہیے، لیکن اندھی محبت نہ ہو۔ ہر کتاب پڑھنے کی نہیں ہوتی۔ کتاب کے اپنے اثرات ہوتے ہیں۔ (کیونکہ کلام دِل سے نکلتا ہے، لہٰذا کلام میں متکلم یا محرر کی دِلی کیفیت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔) اگر لکھنے والا اچھی صفات کا مالک نہیں ہوگا تو اُس کی بری صفات کے اثرات تحریر پڑھنے والے پر بھی ہوں گے۔

مدرسہ میں رہتے ہوئے اخراجات کے لیے جو رقم ہمیں دیتے تھے وہ متعین اور مناسب ہوتی تھی، اور اُس کے حوالے سے پوچھ گچھ بھی کر لیتے تھے۔ جلدی ختم ہو جاتی تو پھر تنبیہ کرتے کہ اتنی رقم میں اتنے دن مثلاً ایک ہفتہ گزارنا چاہئے، جلدی کیوں ختم ہوگئی؟ وغیرہ۔ لیکن کتب کے لیے اگر رقم کا مطالبہ کیا جاتا تو ایک ہزار کے مطالبے پر دو ہزار دیدیتے تھے۔ چنانچہ کراچی سے گھر آتے ہوئے میں کتابیں لاتا رہتا تھا۔

کتب بینی کرتے مجھے اُردو ادب سے لگاؤ ہو گیا، چنانچہ میں ادب کی کتب لانے لگا، ایک مرتبہ میں ممتاز مفتی کی کوئی کتاب لایا، گھر میں رکھی تو والد صاحب نے وہ دیکھی، چند جگہوں سے پڑھی، پھر مجھے فرمایا کہ: بیٹا! اتنا ''اَدب'' بھی انسان کو بے ادب بنا دیتا ہے۔ والد صاحب خود بھی ادیبوں کی کتب پڑھتے تھے، لیکن اُن کے ہاں اِس کے لیے دینی لحاظ سے حد مقرر تھی۔ اُس حد تجاوز کرنے والی کتاب پڑھنے کے حق میں وہ نہیں تھے۔

جب ''ضرب مومن'' اور پھر ''اسلام'' اخبار شروع ہوا تو ہر شمارہ خرید کر نہ صرف پڑھتے بلکہ اس کی حفاظت کا مناسب انتظام بھی کرتے۔ ابھی تک ہمارے گھر میں ضرب مومن اور اسلام اخبار کے سیکڑوں شمارے محفوظ ہیں۔ ''بچوں کا اسلام'' بھی پہلے شمارے سے محفوظ ہے۔ شروع کے تقریباً بیس (۲۰) شمارے تو بڑے سائز میں ہیں۔ بعد والے کتابی شکل میں جلد کروا کے رکھے ہوئے ہیں۔ دیگر دینی رسائل: ہفت روزہ ختم نبوت، لولاک، علم وعمل، محاسن اسلام وغیرہ بھی اسی طرح جلد بندی کے ساتھ محفوظ کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔

گھر میں جب ہر طرف کتابیں ہی کتابیں نظر آنے لگیں تو والدہ محترمہ نے کہا کہ: اتنی کتابیں کون پڑھے گا، کون سنبھالے گا، کہاں جائیں گی؟ اَب بس کرو! اور کتابیں نہ لانا۔ میں والد صاحب سے کتابوں کے لیے رقم کا مطالبہ کرتا تو والدہ محترمہ فرماتیں: کیا ضرورت ہے مزید کتابیں خریدنے کی؟ بس کرو!

ایک مرتبہ گھر کے باورچی خانے میں الماری بنانے کی بات چلی تو والد صاحب نے فرمایا کہ:

یہاں الماری کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ فضول خرچی ہوگی، رہنے دو۔ لیکن جب کتب کی بات آئی تو فوراً بیٹھک میں الماری بنوانے کے لیے تیار ہو گئے اور متعلقہ شخص کو لائے اور الماری کا کام شروع ہو گیا۔

جب الماری میں کتابیں رکھنے کا مرحلہ آیا تو والد صاحب نے ہی سکھایا اور سمجھایا کہ کتابیں کیسے رکھی جاتی ہیں۔ موضوعات کی ترتیب سے کتب رکھوائیں۔ پھر آخر میں تین چار سو یا کم وبیش متفرق کتابچے وغیرہ بچ گئے۔ مجھے اُس وقت اُن کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا، نہ ہی اتنا شعور تھا، تو میں نے کہا یہ سب رسالے کسی کارٹن وغیرہ میں ڈال کر رکھ دیتا ہوں۔ والد صاحب نے فرمایا: نہیں! اُن کی بھی چھانٹی کی، ہر ہر موضوع کے رسائل جدا کیے، پھر ایک حجم (سائز) کے چند رسائل یکجا کر کے اُنھیں جلد کے لیے رکھتے جاتے، اِس طرح تمام رسائل کی جلد بندی ہوئی۔ یہ ۲۰۰۰ء سے بھی پہلے کی بات ہے، اُس وقت اِس پر پانچ ہزار سے زائد خرچہ ہوا، جو والد صاحب نے ہنسی خوشی برداشت کیا۔ جب جلد بندی ہو گئی تو اتفاق سے ہمارے عم زاد مفتی عزیر صاحب کراچی سے تشریف لائے ہوئے تھے، اُن کا خط (لکھائی) ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہے۔ اُن سے کتابچوں پر نام لکھنے کا کہا، لہٰذا اُنھوں نے نام لکھے، جو رسائل باقی بچ گئے ان پر والد صاحب نے خود نام لکھے، کچھ مجھے بھی دیئے جن پر میں نے نام لکھے۔

جیسے ہمارے والد صاحب کو کتابوں سے شغف تھا، ایسے ہی ہماری والدہ محترمہ چھوٹے چھوٹے نفیس اور خوبصورت برتن جمع کرنے اور گھر کی الماریوں میں سجانے کے حوالے سے پورے خاندان میں معروف ہیں۔ اڑوس پڑوس میں جب اُن برتنوں میں کوئی چیز بھیجی جاتی تو وہ بھی پوچھتے کہ یہ برتن آپ خریدتے کہاں سے ہیں؟ لہٰذا گھر کے دونوں کمروں کی الماریاں اُن برتنوں سے سجی رہتیں۔ والد صاحب اور والدہ کی نوک جھونک بھی رہتی تھی، وہ فرماتے کہ برتن اتنے زیادہ جمع کر رکھے ہیں، اور یہ کہتیں کہ کتابیں اتنی جمع کر رکھی ہیں۔ جب بیٹھک میں الماریاں پُر ہو گئیں اور کتب رکھنے کے لیے مزید جگہ درکار ہوئی تو والد صاحب نے ایک کمرے میں برتنوں والی الماری کے بارے میں فرمایا کہ اِس میں رکھ دو، میں اُس میں سے سارے برتن نکالنے لگا تو فرمایا کہ: سارے مت نکالو! اوپر والا ایک خانہ خالی کر کے اس میں کتابیں رکھ لو اور اُس خانے کے برتن نچلے خانوں میں سمو دو۔ چنانچہ میں نے ایسے ہی کیا۔ کچھ عرصہ بعد دوسرے خانے میں بھی کتب رکھ دی گئیں اور رفتہ رفتہ اُس کمرے کی پوری الماری پر کتب قابض ہو گئیں۔ پھر دوسرے کمرے کی الماری میں کتب رکھنے کے لیے یہی ''کاروائی'' شروع ہوئی تو والدہ نے اِس پر کافی احتجاج کیا۔

والد صاحب کتابوں کی حفاظت کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ جلد کا بہت خیال رہتا تھا کہ کہیں سے ٹیڑھی نہ ہو جائے، پھٹ نہ جائے۔ جب ہم مطالعہ کرتے تو باقاعدہ نگرانی کرتے تھے کہ کتاب کیسے پکڑی ہوئی ہے، کہیں جلد خراب تو نہیں ہو رہی۔ کتابوں پر حاشیہ لگانا، اہم مقامات اور اغلاط کو نشان زد کرنا بھی والد

صاحب نے ہی سکھایا۔ اُن کی اپنی کتب پر اُن کے حواشی موجود ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک کتاب پر والد صاحب نے تمام مشکل الفاظ کے معانی لکھ رکھے ہیں، گویا ''فیروز اللغات'' نقل کی ہوئی ہے۔

اللہ پاک اُن کی بال بال مغفرت فرمائے۔ اُنھوں نے ہمارے لیے جو کچھ کیا، خصوصاً ہمیں دین سکھایا، علم دوست بنایا، اچھی تربیت کی اس کا اللہ پاک اُنھیں بہترین بدلہ عطا فرمائے، ہم سے دین کا کام لے، اور ہر وہ نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس کی وہ ہمارے لیے دعا کرتے تھے اور تمنا کرتے تھے۔ ہمارے حق میں مانگی ہوئی اُن کی ساری دعائیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

مولانا عبدالکریمؒ: (۱۹۶۴ء۔۲۰۲۱ء)

مولانا محمد عظیم رحمہ اللہ کے فرزند مولانا عبدالکریم رحمہ اللہ (شناختی کارڈ پر درج تاریخ کے مطابق) یکم جنوری ۱۹۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ ۷/سال کے تھے تو والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ابھی ۱۴/سال کے نہیں ہوئے تھے کہ والد کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ مزید تعلیم و تربیت بڑے بھائیوں کے زیر سایہ حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم دین پوری شریف اور ظاہر پیر میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ اپنے بڑے بھائی مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری کے ہمراہ بنوری ٹاؤن میں پڑھتے رہے، چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''جب آپ تخصص میں تھے اس وقت میں بھی ایک سال آپ کے ساتھ رہا۔...... میں اُن کی خدمت کیا کرتا تھا، کھانا لانا، برتن دھونا، دیگر چھوٹے موٹے کام سب میں کیا کرتا تھا۔'' [دین پوری نمبر:۱۱۶]

جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد سے دورہ حدیث کیا۔ فراغت کے بعد ایک سال تبلیغی جماعت کے ساتھ لگایا۔ قرآن پاک سے بہت شغف تھا، بکثرت تلاوت فرماتے تھے۔ بڑے بھائیوں ماسٹر صاحب، مفتی صاحب، حکیم صاحب وغیرہ نے (غالباً ۸۷،۱۹۸۸ء میں) شادی بھی کرائی، دوکان بھی بنا کر دی، اور کاروبار چلنے تک مکمل ساتھ بھی دیا۔ اللہ پاک نے مولانا عبدالکریم کو تین بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا۔ بڑے بیٹے اسامہ بھائی جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اور آپؒ کے بعد مدنی مسجد خان پور کے امام و خطیب ہیں۔ دوسرے اور تیسرے بیٹے حنظلہ اور خزیمہ حافظ قرآن ہیں۔

۱۹۸۸ء سے ہی مولانا عبدالکریمؒ نے مدنی مسجد [چوک رازی خان پور] کی امامت و خطابت سنبھالی، فجر کے بعد درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ یہ خدمت فی سبیل اللہ تھی۔ اِس بارے، میں فرماتے ہیں:

''۸۸ء تک مسجد کا تمام نظام آپ [مفتی عبدالمجید دین پوری شہید] نے سنبھالے رکھا۔ ۸۸ء میں جب سکھر جانے لگے تو مسجد کا انتظام میرے سپرد کیا اور مجھے فرمایا:

''حضرت والد صاحب نے مجھے یہ نصیحت کی تھی، میں آپ کو کر رہا ہوں کہ:

’’مسجد کو ذریعۂ معاش نہیں بنانا‘‘ الحمد للہ میں نے والد صاحب کی نصیحت پر عمل کیا، آپ بھی اسی پر عمل پیرا ہیں۔‘‘

بحمد اللہ تعالیٰ وبفضلہٖ میں آج تک اُن کے حکم کے مطابق بلا معاوضہ، فی سبیل اللہ مسجد کا جملہ انتظام و انصرام سنبھالے ہوئے ہوں۔ خدا تعالیٰ ہماری اس خدمت کو قبول فرمائے اور آنے والی نسلوں کو بھی حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس نصیحت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔‘‘

[مجلّہ صفدر دین پوری نمبر: ۱۱۷]

اگست ۲۰۲۱ء کے اواخر میں طبیعت ناساز ہوئی، علاج معالجہ کے باوجود طبیعت نہ سنبھل سکی تو شیخ زید ہسپتال رحیم یار خان میں داخل کرادیا گیا جہاں ۴/ستمبر ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ تقریباً ۳/بجے سہ پہر جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تاثرات، مولانا محمد اسامہ:

ہمارے والد صاحب مرحوم ومغفور کو اللہ پاک نے بعض غیر معمولی صفات سے نوازا تھا، جن میں تعلق مع اللہ، توکل علی اللہ، سادگی، عاجزی اور شہرت پسندی سے تنفر بھی شامل ہیں۔ مدنی مسجد خان پور کا انتظام وانصرام ۱۹۸۸ء سے آپ کے حوالے تھا، مسجد کی عمارت کافی پرانی ہوچکی تھی، والد صاحب نے چند سال قبل از سرِ نو تعمیر کا ارادہ فرمایا، چنانچہ مقامی تاجروں کا اجلاس بلایا اور انھیں بتایا کہ مسجد کی جدید تعمیر کا ارادہ ہے، تاجر برادری کے صدر صاحب نے آپؒ سے پوچھا کہ آپ کے پاس مسجد کی کتنی آمدن جمع ہوگئی ہے کہ آپ نے جدید تعمیر کا ارادہ کرلیا؟ والد صاحب نے اجلاس کے بعد فرمایا: یہ اہلِ دنیا ہیں، اِن کی نظر اسباب پر ہوتی ہے، حالانکہ مسجد تو خانہ خدا ہے، اِس کے لیے اللہ پاک غیب سے انتظام فرمائیں گے۔ چنانچہ توکلاً علی اللہ تعمیر شروع کرادی۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ابتدائے تعمیر کے وقت مسجد کے خزانے میں صرف ۴/ہزار روپے موجود تھے۔ مگر والد صاحب نے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کام شروع کرادیا تو اللہ پاک کی طرف سے ساتھ ساتھ انتظام بھی ہوتا چلا گیا۔ کسی کسی وقت پریشانی کا سامنا بھی ہوا، بعض اوقات قرض لینے کی نوبت بھی آئی، لیکن اللہ پاک نے خزانہ غیب سے جلد ہی اس کا انتظام فرمادیا۔

ہمارے چچازاد عبد الوحید بھائی ناقل ہیں کہ جب مسجد کی دوسری منزل منہدم کی جارہی تھی، والد صاحبؒ حسبِ معمول مسجد کے صحن میں نگرانی کررہے تھے، عبد الوحید بھائی نے اُن کے چہرے پر پریشانی کے اثرات محسوس کیے تو وجہ پوچھ لی، والد صاحب نے فرمایا: آج جمعرات ہے، مزدوروں کو اُن کی مزدوری دینی ہے، جس کے لیے رقم بالکل نہیں ہے۔ چنانچہ عبد الوحید بھائی والد صاحب کے ساتھ ہولیے اور دونوں نے مل کر قدیم عمارت کا ملبہ فروخت کرکے مزدوری ادا کی۔

خان پور جیسے چھوٹے شہر میں مسجد کی تعمیر اور پھر اس کے مستقل انتظامی اخراجات کا انتظام کوئی آسان کام نہیں تھا، چنانچہ بعض لوگوں نے پرزور انداز میں مشورہ دیا کہ مسجد کی مستقل آمدنی کی خاطر نیچے دوکانیں بنا کر مسجد اوپر منتقل کر دیں۔ لیکن والد صاحب نے یہ کہہ کر مشورہ سختی سے رد کر دیا کہ مسجد کی جگہ میں دوکانیں بنانا جائز نہیں۔ تعمیر مسجد کے دوران اپنے قریبی دوستوں کو توجہ دلاتے رہے، ماشاءاللہ آپ کے توجہ دلانے پر اُنھوں نے بھی اچھا خاصا تعاون فرمایا۔

والد صاحبؒ نے اپنی زندگی میں ہی مجھے نمازیں پڑھانے کی ذمہ داری سونپ دی تھی، اِس حوالے سے غلطیوں کی اصلاح مسلسل فرماتے رہتے تھے۔ اپنی اولاد کی عمومی تربیت کے حوالے سے بھی کافی فکرمند رہتے تھے۔ (موقع محل دیکھ کر خود بھی سمجھاتے اور بچوں کے متعلقین میں بھی جسے مناسب سمجھتے چپکے سے کہہ دیتے کہ فلاں چیز کی اصلاح کی طرف آپ بھی کسی وقت اپنے طور پر توجہ دلا دیں۔ [حمزہ]) جمعہ کے روز فجر کے بعد قبرستان جانے کا معمول تھا، ہمیں بھی ساتھ لے جاتے کہ ان کو بھی گاہے گاہے قبرستان جانے اور فاتحہ خوانی و ایصالِ ثواب کی عادت رہے۔ اپنے رشتے داروں کو ملتے رہنے کا بھی مستقل معمول تھا، اپنی دو ہمشیرگان اور خالہ سے ملنے روزانہ بلاناغہ جاتے تھے۔

سادگی اور تکلفات سے دُوری اِس قدر تھی کہ مدنی مسجد میں مقرر حفظ کے استاذ صاحب کو منع کر دیتے کہ مجھے مہتمم نہیں کہنا۔ اور درس گاہ کے معاملات میں مدرس پر بھرپور اعتماد فرماتے تھے اور بلاوجہ اُن کے معاملات میں دخل اندازی بالکل نہیں کرتے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت سے بہت شغف تھا، یکم تاریخ کو پہلا پارہ، دو تاریخ کو دوسرا، اِس طرح تاریخ کے ساتھ پارہ تلاوت کرتے، عموماً آپ کو اپنے پارے کے ساتھ تاریخ یاد ہوتی تھی کہ آج فلاں پارہ پڑھا ہے، لہٰذا تاریخ بھی یہی ہے۔ رمضان المبارک میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کرتے تھے، اور شوق دِلانے کی خاطر ہم سے پوچھ تاچھ بھی کرتے کہ آج تم نے کتنے پارے پڑھے؟ مسجد میں درسِ قرآن کا بھی معمول تھا، جو آخر میں بیماری کے باعث موقوف کر دیا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد تلاوت کرتے، پھر اخبار کا مطالعہ فرماتے اور پھر ناشتہ تناول فرمانے کا معمول تھا۔

والد صاحب رحمہ اللہ انگریزی تعلیم کے مخالف تھے، ہم دو بڑے بھائیوں اور دو بہنوں کو ایک دن بھی سکول نہیں بھیجا۔ بیٹوں اور بیٹیوں سب کو مدارس میں ہی پڑھایا، تینوں بیٹے حافظ جبکہ دو بیٹیاں عالمہ ہیں۔ اپنی اولاد کو مدرسہ پہنچانے اور واپس لانے کی ذمہ داری خود پوری طرح انجام دیتے تھے۔ ہماری ہمشیرگان فراغت کے بعد دو الگ الگ مدارس میں تدریس کرتی تھیں، تب بھی والد صاحب خود ہی بروقت پہنچاتے اور خود ہی واپس بھی لاتے۔ بچپن میں مجھے ایک مدرسہ میں داخل کرایا جو ہمارے تایا جان حکیم عبداللہ صاحبؒ کے گھر سے قریب تھا۔ والد صاحب مجھے حکیم صاحب کے گھر پہنچا آتے، وہاں سے میں مدرسہ چلا جاتا، اور

واپس اُنھی کے گھر آجاتا۔ ہفتے بعد والد صاحب مجھے لینے آتے تھے۔

اپنے خاندان میں اتحاد و اتفاق برقرار رکھنے کے لیے والد صاحب ہر طرح کوشاں رہتے تھے۔ سال میں ایک مرتبہ والد صاحب کے تمام بہن بھائی اپنے اہل خانہ سمیت ہمارے گھر آتے، سب مل کر کھانا بناتے، اور اپنے اپنے گھروں کو جانے سے پہلے مل کر برتن دھو کر، صفائی کر کے پھر جاتے تھے۔ یوں پیار محبت کا ایک سلسلہ قائم تھا۔ عم مکرم مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کے لیے والد صاحب کا خصوصی اہتمام فرمانے کا معمول تھا، اُن کی آمد کے موقع پر سب بھائیوں کو جمع کر لیتے تھے۔

ابتدا میں والد صاحب کا کاروبار دیگر بعض بھائیوں کے ساتھ مشترکہ تھا، پھر آپ الگ ہو گئے اور مشروبات کا نظم سنبھال لیا۔ شربت وغیرہ کا کام سردیوں میں نہیں ہوتا۔ گرمیوں میں جس دن کام کا آغاز کرتے تو پہلے دن کی کل آمدن مسجد میں جمع کرانے کا معمول تھا۔ اگر محسوس کرتے کہ پہلے دِن کی آمدنی کم ہے تو تین دن کی آمدنی مسجد میں جمع کر دیتے تھے۔ اور اُس میں سے کوئی ایک روپیہ بھی اپنے ذاتی، گھریلو یا کاروباری استعمال میں نہیں لاتے تھے۔

والد صاحب بدعات و رسومات سے بچنے کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے، بعض مقامات پر رمضان المبارک میں ختم قرآن کے موقع اجتماعی چندہ کر کے مٹھائی کا انتظام کیا جاتا ہے، لیکن والد صاحب اِس کے شدید مخالف تھے، کوئی شخص از خود اپنی خوشی سے اپنے خرچ پر کوئی انتظام کر دیتا تو ٹھیک، ورنہ اِس کام کے لیے چندہ اور ترغیب کا ماحول بالکل نہیں بننے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے مدنی مسجد میں تراویح میں قرآن پاک سنایا، ایک صاحب نے از خود ہی مجھے کپڑے وغیرہ ہدیہ کیے تو والد صاحب نے منع فرما دیا۔ اور کہا کہ اِس نے قرآن پاک اِس لیے نہیں سنایا۔ آپ بھی اسے ہدیہ نہ دیں تاکہ اِس کے ذہن میں یہ بات ہی نہ آئے کہ قرآن سناؤں گا تو کپڑے وغیرہ دنیاوی منافع حاصل ہوں گے۔

حمزہ بھائی کے کہنے پر چند گذارشات پیش کر دی ہیں۔ اللہ پاک حضرت والد صاحبؒ کے درجات بلند فرمائیں اور ہم سب کو صبر جمیل سے نوازیں اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

اللہ پاک مولانا محمد عظیم اور اُن کے خانوادے کے تمام فوت شدگان کی کامل مغفرت فرمائیں، درجات بلند تر فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔ تمام پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، اپنے خزانہ غیب سے اُن کی مدد و نصرت فرمائیں اور دین و دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پاک خود اُن کے کفیل بن جائیں۔ اُنھیں اپنے پیش روؤں کے لیے صدقہ جاریہ بننے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

☆......☆......☆......☆

وفیات

مجاہد ختم نبوت مولانا محمد اکرم طوفانی رحمہ اللہ [سرگودہا]...... دارالعلوم کراچی کے مفتی اور نائب شیخ الحدیث مولانا محمود اشرف عثمانی رحمہ اللہ...... جامعہ مخزن العلوم خان پور کے شیخ الحدیث مولانا امیر محمد تونسوی رحمہ اللہ...... امین ملت مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کے برادر صغیر مولانا محمد اکرم رحمہ اللہ...... مولانا حافظ محمد رفیع الحسینی رحمہ اللہ [حضرو] کے بھائی حافظ محمد رضی رحمہ اللہ...... جامعہ قاسم العلوم فقیروالی کے مہتمم مولانا قاسم قاسمی رحمہ اللہ...... حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے فرزند حاجی مطیع الرحمٰن رحمہ اللہ...... تلمیذ امام اہل سنتؒ مولانا اشفاق احمد ربانی رحمہ اللہ [عباس پور، آزاد کشمیر]...... مولانا زبیر ہاشمی رحمہ اللہ [گجرات]...... تبلیغی مرکز بہاول پور کے امام وخطیب مولانا مقبول احمد رحمہ اللہ...... عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بہاول پور کے امیر دارالعلوم مدنیہ کی شوریٰ کے رکن حاجی سیف الرحمٰن رحمہ اللہ...... شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو کی پوتی، مولانا صہیب احمد کی بیٹی رحمہا اللہ...... جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے قدیم استاذ مولانا عبدالرزاق لدھیانوی رحمہ اللہ...... جامعہ اشرفیہ لاہور کے سابق مفتی مولانا مفتی داؤد احمد رحمہ اللہ...... دارالعلوم کراچی کے قدیم استاذ مولانا نعمت اللہ اور ثانویہ کے استاذ مولانا احسان احمد رحمہما اللہ...... مولانا خواجہ عزیز احمد [خانقاہ سراجیہ] کی خوش دامن صاحبہ رحمہا اللہ...... مولانا خواجہ خلیل احمد کے سمدھی ملک رب نواز خان رحمہ اللہ...... شیخ الحدیث مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی کے بھانجے رحمہ اللہ...... مولانا مفتی عبدالقادر رحمہ اللہ [کبیروالہ] کی اہلیہ محترمہ رحمہا اللہ...... مولانا مفتی زین العابدین رحمہ اللہ [فیصل آباد] کے صاحبزادہ رحمہ اللہ...... مولانا جمیل الرحمٰن عباسی [بہاول پور] کے ماموں منظور عباسی اور چچا عبدالعزیز عباسی رحمہما اللہ...... مولانا عبدالرؤف فاروقی [لاہور] کی ہمشیرہ رحمہا اللہ...... مولانا عبدالغنی طارق لدھیانوی [رحیم یار خان] کے والد گرامی رحمہ اللہ...... جامعہ مفتاح العلوم سرگودہا کے استاذ الحدیث مولانا نور محمد ہزاروی کے والد گرامی رحمہ اللہ...... جامعہ بنوریہ کے سابق استاذ الحدیث مولانا محمد عمر دین پوری رحمہ اللہ...... سانحہ مری میں وفات پانے والے مسلمان رحمہم اللہ...... محترم ماسٹر منظور حسین صاحب [نائب مدیر: ماہنامہ حق چار یار] کے بہنوئی رحمہ اللہ...... مولانا مفتی عطاء الرحمٰن کے داماد (مولانا قاری حسن) کے والد گرامی رحمہ اللہ...... جامعہ مظہریہ حسینیہ کے طالب علم دیدار لاشاری کے دادا محترم رحمہ اللہ...... جامعہ مظہریہ حسینیہ کے طالب علم سجاد کی ممانی، ندیم کی چچی رحمہا اللہ...... جناب کامران میمن [حیدر آباد] کی دادی محترمہ رحمہا اللہ...... مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نواسی رحمہا اللہ...... مجلّہ ''صفدر'' کے جلد ساز جناب حافظ شمس الاسلام رحمہ اللہ...... جناب قاری عبدالستار محمود کوٹی کے برادر مکرم رحمہ اللہ...... مولانا نعمان حسن لدھیانوی رحمہ اللہ [رحیم یار خان]...... مولانا صہیب ضیاء کے دادا، حضرت لاہوریؒ کے مسترشد حاجی محمد بشیر رحمہ اللہ

قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

الاحسان آن لائن اکیڈمی کے زیر اہتمام

اس دنیا میں سب سے اہم ترین ضرورت صحیح عقائد کا جاننا اور ماننا ہے۔

بذریعہ واٹس ایپ

10 روزہ

اسلامی عقائد کورس

حصہ دوم

ملاحظہ: کورس کی کوئی فیس نہیں!

10 دن صرف 15 منٹ روزانہ

24 گھنٹے میں کسی بھی وقت سبق سننے کی سہولت

خدا کی ضرورت	خدا کا وجود	خدا کی توحید
وحی کی ضرورت	وحی کی حقیقت اور اقسام	وحی کی شرعی حیثیت
رسالت کی ضرورت	رسالت کا مقصد اور شرعی مقام	انبیاء کی عصمت
معصوم اور محفوظ میں فرق	حدیث کی ضرورت	حجیت حدیث
حدیث وسنت میں فرق	صحابہ واہل بیت کی شرعی حیثیت	مشاجرات صحابہ

خصوصیات

۱۔ تحریری نوٹس ۲۔ ہر سبق کے معروضی سوال ۳۔ سوال وجواب کی نشست ۴۔ سند

رجسٹریشن 5 مارچ 2022 بروز ہفتہ رات 8 بجے تک

آغاز 7 مارچ بروز پیر

اختتام 16 مارچ بروز بدھ

طریقہ کار: کورس میں شمولیت کے لیے اپنا نام، ولدیت، علاقہ، تعلیم اور واٹس ایپ نمبر پانچوں چیزیں ایک ہی میسج میں لکھ کر درج ذیل نمبر پر واٹس ایپ کریں۔

کوئی بھی چیز کم یا ایک سے زائد میسج میں ہونے کی صورت میں معلومات قابل قبول نہیں ہوں گی۔

رابطہ: 03124612774